احمد معمار لاہوری

A-5415

72
AB
541

کتاب خانہ نورس (کاپی بک شاپ) کببو سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

احمد معمار لاہوری

اور

اُس کا خاندان

از

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

سنہ ۱۹۵۷ء

کتاب خانہ نورس (کاپی بک شاپ) کبیر سٹریٹ اُردو بازار لاہور

A-5415

(جملہ حقوق ترجمہ واشاعت محفوظ)

مُقدّمہ

اس مختصر رسالہ بعنوان "احمد معمار اور اس کا خاندان" کے شائع کرنے کا محرک احمد معمار کے متعلق چند غیر ذمہ دار لکھنے والوں کے بیانات ہیں۔ جنہوں نے احمد اور راقم کی طرف بعض ایسے امور منسوب کر دئے ہیں۔ جن کا وہ خود بھی کوئی معقول ثبوت بہم نہیں پہنچا سکے۔ بلکہ یہاں تک کہ احمد اور اس کے لڑکے لطف اللہ کی طرف غیر محقق تصاویر منسوب کر کے چھاپ دی ہیں۔ جس سے احمد کی شخصیت بحیثیت اعلیٰ معمار اور ماہر علم ریاضی میں شبہ ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ اس ضمن میں اس کی عظمت ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ چنانچہ حالات نے مجبور کیا ہے کہ احمد اور اس کے خاندان کے افراد کے حالات کو مستند کتب و مآخذ سے جہاں تک میسّر آ سکتے ہیں استفادہ کر کے بصورت رسالہ ہذا ہدیۂ ناظرین کر دئے جائیں۔ ویسے اس سے پیشتر بھی ۱۹۳۲ء میں میں نے ایک مقالہ بعنوان "معمار تاج" سالنامہ کا۔ وال میں احمد معمار اور اس کے خاندان کے افراد کے کارنامہ پیش کئے تھے۔ اور اس کے بعد میں نے اپنی کتاب فرانسیسی زبان میں (۱۹۳۸ء) "تاج محل آگرہ" میں بھی جہاں تک احمد کا تعلق عہد شاہجہاں کی تعمیرات سے ہو سکتا ہے بیان کر دیا ہے۔ بلکہ راقم کا ایک مستقل مقالہ انگریزی زبان میں بعنوان 'مغل ماہرین فن کا ایک خاندان' اسلامک کلچر حیدر آباد دکن ۱۹۳۳ء طبع ہو چکا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے ایک مبسوط مقالہ احمد معمار سے متعلق طبع کیا تھا۔ مگر اس اثناء میں کچھ مزید اور مفید مواد بھی میسر آیا۔ جس سے یہاں استفادہ برابر کیا گیا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

لاہور ۳۱ اگست ۱۹۵۶ء

عبداللہ چغتائی

فہرستِ مطالب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	نام کتاب	۱	۱۸	از انشاء ہرکرن	۲۴
۲	مقدمہ	۳	۱۹	از رسائل ملاّ طغرا	۲۵
۳	احمد معمار لاہوری	۵	۲۰	احمد کے آبا و اجداد	۲۶-۲۷
۴	حوالہ عمل صالح	۵	۲۱	عطاء اللہ رشیدی	۲۸
۵	بادشاہ نامہ محمد وارث	۶	۲۲	تصانیف عطاء اللہ	۲۸-۳۰
۶	کتبہ مانڈو معماران شاہجہاں	۶	۲۳	کتبہ اورنگ آباد - عطاء اللہ معمار	۳۱
۷	خط و کتابت سید سلیمان رح	۷	۲۴	لطف اللہ مہندس	۳۲
۸	حوالہ روئداد جلسہ ادارہ معارف اسلامیہ	۸	۲۵	تصانیف لطف اللہ	۳۳
۹	عمارات مانڈو (شادیا آباد)	۹	۲۶	نور اللہ	۳۴
۱۰	حالات احمد معمار	۹	۲۷	امام الدین ریاضی	۳۵
۱۱	اقتباس از دیوان مہندس	۱۰-۱۲	۲۸	مرزا خیر اللہ	۳۷
۱۲	حوالہ تذکرہ باغستان (ڈاکٹر نذیر احمد)	۱۳	۲۹	محمد علی	۳۸
۱۳	اقتباس از مرات واردات	۱۴	۳۰	امیر الدین علی	۳۸
۱۴	خلاصہ	۱۶	۳۱	محمد امان نثار	۳۸
۱۵	خط بنام نواب جعفر خاں	۱۷-۱۸	۳۲	بن سعادت اللہ معمار	۳۸
۱۶	خلاصہ خط ″ ″	۱۹	۳۳	شجرہ خاندان احمد	۳۹
۱۷	کتبہ مارگلہ	۲۲	۳۴	مولف اپنے متعلق	۴۰

احمد معمار لاہوری اور اس کا خاندان!

یہ مسلمہ امر ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں فن تعمیر اپنے اوج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ جس کا بہترین مظاہرہ اس کی اپنی بیگم ممتاز محل کا مقبرہ روضہ تاج محل ہے۔ جس کی تفصیل اس کے عہد کی معاصر کتب بادشاہ نامہ مؤلفہ ملا عبدالحمید لاہوری[1] اور عمل صالح مؤلفہ محمد صالح کنبوہ[2] درج ہے۔ اس تفصیل میں محض دو اسماء میر عبدالکریم اور مکرمت خاں ملتے ہیں جو تاج کی تعمیر کے یکے بعد دیگرے مہتمم رہے۔ ان کے مفصل حالات راقم نے الگ تاج کی کتاب میں بحیثیت مہتمم عمارت تاج درج کئے ہیں۔ اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں جب شاہجہاں نے دہلی میں نئے شہر بنام شاہجہاں آباد و لال قلعہ اور دیگر عمارات کی داغ بیل ڈالی تو اس سال کے عہد کے واقعات میں ہم عصر مؤرخین عہد شاہجہاں نے ان عمارات کے بیان کے ذکر میں دو معماروں احمد و حامد کے نام اپنی تصنیفات میں ذکر کئے ہیں جن کی کارکردگی میں یہ عمارات تعمیر ہوئیں جیسا کہ اقتباسات ذیل سے واضح ہے:

ا۔ عمل صالح[3] بعد از پنج ساعت از شب جمعہ بیست نہم ذی حجہ مطابق نہم اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس موافق ۱۰۴۸ھ در زمان محمود دا دال مسعود استاد احمد و حامد سر آمد معماران

---

[1] بادشاہ نامہ از ملا عبدالحمید لاہوری۔ مطبوعہ کلکتہ ص ۳۲۴-۳۳۰ ج ۲ [2] عمل صالح از محمد صالح کنبو لاہوری مطبوعہ کلکتہ ص ۵۵-۵۸ ج ۱ و ص ۳۸۰-۳۸۵ ج ۲ [3] از نسخہ برٹش میوزیم ۲۶۲۲ ۸۵۵۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نسخہ عمل صالح مطبوعہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں تاریخ ۱۰۴۸ھ لکھی ہے۔ جو سراسر غلط ہے ایک اور غلطی یہ ہے کہ اس نسخہ میں محض "احمد معمار" بجائے "احمد و حامد" چھپا ہے۔ (جلد سوم ص ۲۰۔) میں نے اس ضمن میں ولایت سے ایک خط سیکرٹری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کو ۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو تحریر کیا تھا کہ طباعت آئندہ میں یا ایک غلط نامہ کی صورت میں تصحیح کر لی جائے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نادرہ کار لسبر کاری عزت خاں صوبہ دار آنجا و صاحب اہتمام این کار مطابق طرحی تازہ و نقشے بدیع کہ ہیچ وجہ نظیر آں در شش جہت دنیا بنظر نظارگیاں در نیامدہ بود الخ"

بادشاہ نامہ محمد وارث[1] :- بحکم اشرف بعد از پنج ساعت از شب جمعہ بیست و پنجم ذی حجہ مطابق نہم اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس موافق سنہ ہزار و چہل و ہشت ہجری کہ مختار دانشوران انجم و افلاک بود استاد احمد و استاد حامد کہ معماران ماہر بودند و کار عمارت سر آمد لسبر کاری عزت[2] خاں برادر زادہ عبداللہ خاں بہادر فیروز جنگ کہ نظم صوبہ دہلی و اہتمام تاسیس عمارات مذکور باو مفوض فرمود مطابق طرحی کہ در پیشگاہ خلافت مقرر گشتہ بود رنگ ریختند الخ"

اسی طرح ان دونوں معماروں کے اسماء میں نے کتبہ ذیل شادی آباد مانڈو مالوہ، میں بڑی مسجد کے قریب ہوشنگ شاہ کے مقبرہ میں دروازہ کے دائیں پہلو پر بخط خفی تانبے کی لوح پر دیکھے[3]۔

"بتاریخ نہم ربیع الثانی سنہ ہزار و ہفتاد ہجری فقیر حقیر لطف اللہ مہندس، ابن استاد احمد معمار شاہجہانی و خواجہ جادورائے و استاد شیورام و استاد حامد بجہت زیارت آمدہ بود دو کلمہ یادگار نوشت"

غرضیکہ متذکرہ بالا بیانات سے احمد و حامد دو نادرہ کار معماران عہد شاہجہاں کا نہایت موثق طریق پر تعین ہو جاتا ہے اس عہد میں دہلی کے سرکاری تعمیری کاموں میں ضرور حصہ لیا۔ جسے ہم نے ذیل میں ان کی ذات اور ان کے کام سے متعلق بیان کرتے ہیں۔ مگر حامد سے متعلق ہماری معلومات میں متذکرہ بالا بیان سے آگے کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے۔ سوا اس کے کہ دہلی کے محلہ دریبہ کلاں جامع مسجد کے قرب میں شمال کی طرف ایک محلہ "استاد حامد" کے نام سے موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے اس کوچہ میں ان کی اولاد رہتی ہے۔ اور لاہوری والے کہلاتے ہیں۔ اور آج کل "سادہ کاری" کا کام کرتے ہیں۔ یعنی حامد کا ذکر اس سے آگے نہیں بڑھتا[4]۔

---

[1] از نسخہ بوڈلین CAPS ORDE   [2] دونوں نسخوں میں غیرت خاں پڑھا جاتا ہے۔

[3] ویسے یہ طبع بھی ہو چکا ہے دیکھو ایپی گرافیا انڈو مسلیکا 1909-10 ص۲۳ پلیٹ XVII - [4] مضمون سید سلیمان ندوی مرحوم و بقیہ حاشیہ ص۵، بعضوں نے احمد و حامد کے ساتھ معماران شاہجہان آباد میں ایک اور نام "ہیرا" معمار کا بھی اضافہ کیا ہے۔ مگر مآثر عالمگیری (ص۱۸۹ ترجمہ) میں ایک معمار کلیان بن ہیرا کا ذکر ہے۔ اس سے ہیرا کے وجود کا تعین ہوتا ہے۔

۱۹۳۱ء میں حسن اتفاق سے قبلہ سید سلیمان ندویؒ کو لطف اللہ مہندس بن احمد معمار لاہوری کا ایک دیوان شعر و شاعری کہیں سے دستیاب ہوا۔ آپ نے فوراً میرے ایک مضمون بعنوان "روضہ تاج محل اور اس کی تعمیر" شائع شدہ معارف جنوری[۱] ۱۹۳۱ء اعظم گڈھ سے متاثر ہو کر ۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو راقم سے . . . . بذریعہ خط یوں دریافت فرمایا:۔

"احمد معمار سے واقف ہیں۔ اگر اس کا حال معلوم ہو تو پتہ بتایئے آپ نے تاج کے سلسلہ میں اس کا ذکر نہیں کیا . . . ؟"

آپ نے میرے اس خط کے جواب میں کسی قدر توقف دیکھ کر پھر ۱۱ اپریل ۱۹۳۱ء کو یوں یاددہانی کرائی:۔

"آپ نے احمد معمار کا پتہ نہ دیا۔ اس کا بیٹا مہندس خاں تھا۔ کہیں یہ نام آپ کی نظر سے گذرے ہیں۔"

اس اثنا میں میں یورپ چلا گیا۔ مگر آپ کے خطوط اس ضمن میں برابر آتے رہے۔ آخر آپ کی خدمت میں علاوہ متذکرہ بالا حوالوں کے ایک غیر مکمل مخطوطہ خطوط عہد شاہجہاں و اورنگ زیب سے متعلق جو راقم کے کتب خانہ میں بھی ہے ایک خط کا اقتباس بنام نواب جعفر خاں ارسال کیا۔ جو یہاں ذیل میں اپنے مقام پر مکمل درج کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد سید صاحب نے ۹ رفروری ۱۹۳۳ء کو یوں لکھا:۔

"میرا مضمون احمد معمار بحمد اللہ پورا ہو گیا . . . . میں نے نواب جعفر خاں کے خط کے متعلق آپ کا حوالہ دیا ہے . . . . . . یہ مضمون انشاء اللہ لاہور ہی میں پڑھا جائے گا۔"

چنانچہ اپریل ۱۹۳۳ء میں جناب قبلہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنا مضمون بعنوان "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا"

ادارہ معارف اسلامیہ کے اول جلسہ میں زیر صدارت جناب علامہ قبلہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اعلی اللہ مقامہٗ پڑھا۔ جس کی مکمل روئیداد طبع ہو چکی ہے۔ اس کے صفحہ ۲ پر سید صاحب نے اس تمام متذکرہ بالا خط و

ملہ جو لاہور میں کچھ عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے ملہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کی بزم تاریخ کے دس سالہ جلسہ میں بھی یہ مضمون پڑھا گیا۔ وہاں روئیداد میں بھی طبع ہو چکا ہے۔

وکتابت کا اعتراف کرنے کے بعد احمد معمار کا ذکر نواب جعفر خاں کے نام خط کے الفاظ بیان کر کے مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے مگر مطبوعہ روئیداد کے صفحہ ۴ سے معلوم ہوگا کہ راقم نے آپ کے مضمون ختم کرنے کے بعد اسی جلسہ میں صدر کی اجازت سے اپنا نقطۂ نگاہ اسی وقت حاضرین جلسہ کے سامنے پیش کیا۔ جسے روئیداد میں یوں درج کیا گیا ہے:

" صدر جلسہ کی تقریر کے بعد (یعنی مرحوم سر اقبال کی افتتاحی تقریر کے بعد) مولانا سیّد سلیمان ندوی نے اُردو میں اپنا مضمون " لاہور کا ایک مہندس خاندان" پڑھا۔ جس کو سب نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سُنا۔ اختتام مضمون پر ماسٹر محمد عبد اللہ چغتائی نے اس مضمون پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے ایک مختصر تقریر کی جس سے حاضرین کی معلومات میں مفید اضافہ ہوا۔"

غرضیکہ یہ متذکرہ بالا مختصر سی کیفیت واقعات پیش کی گئی ہے جو دراصل احمد معمار کے مزید حالات زندگی اور اس کے تعمیری کارناموں کو منصۂ شہود پر لانے میں محرّک ہوئے۔ اور اس کا زیادہ تر سہرا مرحوم سید سلیمان ندوی کے سر ہے مگر ایک بات وضاحت سے عرض کر دوں کہ راقم کے نزدیک احمد کا تعلق تاج محل آگرہ کی تعمیر سے پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا یہی وجہ ہے کہ اس مقالہ کو بصورت رسالہ الگ پیش کرنے کی ضرورت پڑی۔ تاکہ احمد معمار اور اس کے خاندان کے افراد کی اعلیٰ علمی وفنی خدمات کا اندازہ ہو سکے۔ بلکہ اگر ہم بغیر کسی ثبوت کے احمد کا تعلق تاج کی تعمیر سے فرض کر لیں تو میرے نزدیک اس کی اور اس کے خاندان کی عظمت کو کم کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہاں اگر صحیح ثبوت کہیں میسر آگیا تو راقم کو اس نظریہ سے ہر حالت میں رجوع کرنا ہوگا۔ بلکہ تاج کے معمار کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے صاف ہو جائیگا۔ بہر حال ہم احمد کے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اگر فنی اعتبار سے دیکھیں تو متذکرہ بالا کتبہ ماخذ سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اوّل یہ کہ استادان فن دیگر ملکی عمارات وآثار کو فیضان حاصل کرنے کے لئے مشاہدہ کی خاطر سفر بھی کیا

کرتے تھے۔ دوم کتبہ کے الفاظ سے واضح ہے کہ اس کا کاتب لطف اللہ مہندس خود ہے۔ سوم یہ کہ محض احمد معمار کے نام کے ساتھ لفظ "شاہجہانی" لکھ کر دیگر معماران عہد شاہجہاں سے جن کے نام کتبہ میں درج ہیں ان میں کاتب کتبہ لطف اللہ مہندس نے اپنے باپ کے حق میں ایک تمیز پیدا کر دی ہے۔ کہ یہ شخص شاہجہان کی ملازمت میں تھا۔ یا کوئی خاص تعلق تھا جس کی وجہ سے اس کو شرف نسبت حاصل ہے۔ غرضیکہ یہ سب امور ضرور قابل توجہ ہیں۔ اور حسن اتفاق سے مانڈو میں مغل عہد کی عمارات سے ایک دروازہ عہد اورنگ زیب کے کوئی موجود نہیں ہے۔ البتہ جہانگیر کے عہد میں قدیم سلاطین مانڈو کی عمارات کی مرمت و دیکھ بھال کا ذکر عہد جہانگیر میں اس کی توزک کے مطالعہ سے ملتا ہے۔ جب کہ اس کے دربار میں برٹش کا سفیر سر ٹامس رو اس مقام پر آکر ملا۔ اس وقت ان عمارات کی مرمت معمور خاں کے اہتمام سے ہوئی تھی۔ جس نے جہانگیر کے عہد کی عمارات قلعہ لاہور کو بھی تعمیر کروایا تھا۔

مانڈو کے دروازہ دہلی پر جو کتبہ عہد اورنگ زیب ہے ملاحظہ ہو ؎

در زمان شاہ عالمگیر خاقان جہاں
از سر نو گشت برپا این در گردوں نشاں
در ہزار و ہفتاد و نہ آغاز و ہم انجام یافت
زاہتمام خان عالیشان محمد بیگ خاں
در جلوس این شہنشاہ جہاں اورنگ زیب
بود سال یازدہ از روئے تحریر و بیاں

میرا خیال ہے کہ متذکرہ بالا معماران عہد شاہجہان و اورنگ جن کے اسمار گرامی کتبہ مانڈو میں ثبت ہیں اورنگ زیب کے عہد میں شکست و ریخت مانڈو کو ٹھیک کرنے کے لئے آئے تھے اور انہوں نے ہی دروازہ عالمگیر کو بھی تعمیر کیا۔ جو کسی طرح بھی فتح پور سیکری کے دروازہ سے بلندی اور تعمیری خوبصورتی و وجاہت میں کم نہیں ہے۔

ان متذکرہ بالا بیانات متعلقہ احمد معمار کو پیش کرنے کے بعد ہم مرحوم سید سلیمان ندوی کے پیش کردہ

دیوان لطف اللہ مہندس کی مختصر کیفیت ذیل میں درج کرتے ہیں[1] جس سے احمد کی زندگی اور اس کے خاندان پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

دیوان کی ابتدا نعتیہ قصیدہ سے ہوتی ہے جس کے آخر میں صاحب دیوان اپنا اور اپنے باپ کا نام اور اپنے مشاغل درس و تدریس کا ذکر کرتا ہے ؎

باش لطف اللہ احمد چہ کنی فخر بعلم　　　　جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل

دارا شکوہ کی مدح کرتا ہے جس میں اپنا ذکر کرتا ہے اور ایک جگہ لفظ مہندس سے لطیف استدلال کرتا ہے ؎

درحق من گمان خطامی بری خطاست　　　　ہرگز شنیدۂ کہ مہندس خطا کند

اس دیوان میں دارا شکوہ کے ایک محل کا ذکر ہے جسے لطف اللہ نے بنوایا اور اس کی تاریخ نکالی ؎

چوں بنا کردہ قصر جاہ و جلال　　　　ظل حق بادشاہ عالی ملک

بہشیہ ایں عمارت والا !　　　　تافت چوں سپہر بر حوالی ملک

گفت معمار قصر تاریخش ،　　　　قصر دارا شکوہ والی ملک

سنہ ۱۰۶۰

بلکہ دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کی کتخدائی کی تاریخ بھی لکھی ہے ؎

گفت جبریل امیں تاریخش　　　　بسلیماں شدہ بلقیس قریں

سنہ ۱۰۶۴

ذیل کی مثنوی میں لطف اللہ مہندس اپنے خاندان کا ذکر بھی کرتا ہے اور اپنے باپ احمد کو باضافہ لفظ شاہجہانی یوں یاد کرتا ہے ؎

" نادر العصر استاد احمدؒ معمار لاہورؒ شاہجہانی "

اس کے بعد اپنے والد کے متعلق کہتا ہے کہ وہ ریاضیات فلکی کی سب سے بڑی کتاب مجسطی کا ماہر تھا اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی مشہور کتاب " تحریر اقلیدس " کا عالم تھا۔ اس کے تین بیٹے عطاء اللہ،

---

[1] از مضمون سید صاحبؒ۔

لطف اللہ مہندس اور نور اللہ تھے ۔ تینوں صاحب فن تھے ۔

شاہ جہاں داور گیتی ستاں — روشنیٔ دودہ صاحب قراں
عرش بریں قبۂ خرگاہ اوست — رشک فلک سدۂ درگاہ اوست
احمد معمار کہ در فن خویش — صد قدم از اہل ہنر بود پیش
واقف تحریر و مقالات آں — آگہ اشکال و حوالات آں
حال کواکب شدہ معلوم او — سرِ مجسطی شدہ مفہوم او
از طرف داور گیتی جناب — نادرِ عصر آمدہ اورا خطاب
بود عمارت گرِ آں بادشاہ — داشت دراں حضرت فرخندہ راہ
آگرہ چو شد مضرب رایاتِ شاہ — بسکہ بر او بود عنایاتِ شاہ
کرد بحکم شہِ کشور کشا — روضۂ ممتاز محل را بنا
باز بحکم شہِ انجم سپاہ — شاہ جہاں داور گیتی پناہ
قلعہ دہلی کہ ندارد نظیر — کرد بنا احمد روشن ضمیر
ایں دو عمارت کہ بیاں کردہ ایم — در صفتش خامہ رواں کردہ ایم
یک ہنر از گنج ہنرہاے اوست — یک گہر از کان گہرہاے اوست
چوں ببود عالم فانی مقر — کرد سوے عالم باقی سفر
پس سہ پسر ماند ز مرد سترگ — زاں سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ
نادر عصر خود و مشہور شہر — عالم و علامہ و دانائے دہر
مرد ہنر پرور و استاد فن — فاضل و دانشور و حبر زمن
مخزن علم آمدہ تالیف او — گنج ہنرہاست تصانیف او
نثر وی از آب رواں پاک تر — نظم خوشش غیرتِ سلک گوہر
منکہ سخن پرور و دانش ورم — بندۂ آں حبر سخن پرورم

منکہ ربودم زجہاں گوی علم   از جنبش یافتہ ام بوی علم
منکہ شدم آگہ سر بنان   از دم او یافتہ ام قوت جان
ثانی آں ہر سہ برادر منم   ہندسہ یک فن بود از صد فنم
گرچہ مہندس لقبم از شہ است   نام من دل شدہ لطف اللہ است
ثالث آں ہر سہ برادر بسال   آمدہ نور اللہ صاحب کمال
ما ہمہ معمار و عمارت گریم   ما ہمہ استاد و سخن پروریم
لیک بود قیصر کلامش عجب   زاں شدہ معمار مرا او را لقب
گرچہ کم است سال وی از سال من   بیش بود حال وی از حال من
نثر وی از نظم گہر بار تر   نظم بنثر آمدہ ہموار تر
دیدہ ز نور سخنش پُر ضیا   طبع ز لطف سخنش پُر صفا
گنج ہنر آمدہ در مشت او   ہفت قلم راندہ سر انگشت او
گرچہ منم بے سخن استادِ فن   آں یک و دیں یک بود استاد من
گرچہ مرا ہست مہندس لقب   ہندسہ زاں ہر سہ برادر طلب[1]

اسی دیوان میں احمدؔ کی وفات کے متعلق دو قطعات دئے ہیں جن کے تاریخی اشعار یہ ہیں ؎

نادر العصر رفت و گفت خرد   شد بفردوس احمدؔ معمار

تاریخ وفاتِ او خرد گفت   محمود العاقبت شد احمدؔ

ان دونوں سے سیّد صاحب کے نزدیک تاریخ وفات ۱۰۵۹ھ نکلتی ہے۔"
سید صاحب مرحوم کے مضمون شائع ہونے کے کئی سال بعد تک راقم یہی خیال کرتا رہا کہ دیوان

[1] مقتبس از مضمون سید صاحبؒ۔

لطف اللہ مہندس جس پر سید صاحب نے اپنا تمام مضمون تعمیر کیا ہے محض ایک ہی نسخہ ہے جو آپ کو بینگلور (میسور) سے میسر آیا۔ مگر سنہ ۱۹۶۱ء میں پونا پہنچنے پر مجھے مزید تلاش سے علم ہوا کہ حسن اتفاق سے اس کا ایک اور نسخہ دیوان مہندس مجھے اپنے محترم معظم فاضل دوست قبلہ ابو صالح محمد عمر یافعی حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں موجود ہے جسے راقم نے ان سے مستعار حاصل کر کے ان کے ایما سے اس کا فوٹو حاصل کر لیا۔ بد قسمتی سے اس دوسرے نسخہ میں شعر ؎

کرد حکم شہ کشورکشا　　　　روضہ ممتاز محل را بنا

مع چند دیگر اشعار کے اس نظم میں موجود نہیں ہیں۔ جن سے احمد کو معمار تاج شمار کیا گیا ہے۔ اوّل یہ لڑکے کی شہادت اپنے باپ کے حق میں قبول کرنے میں تامل پیدا ہوتا ہے۔ جب تک کوئی اور شہادت اس کی تصدیق نہ کرے۔ دوسرے تمام معاصر مؤرخین اس سوال پر خاموش ہیں۔ ورنہ جہاں انہوں نے میر عبدالکریم اور مکرمت خاں کا ذکر بحیثیت مہتمم تعمیر تاج کیا ہے وہاں آسانی سے ذکر کر سکتے تھے جیسا کہ احمد و حامد کا ذکر ہمیں دہلی میں شاہجہاں آباد۔ لال قلعہ وغیرہ کی تعمیر کے ضمن میں ملتا ہے۔ بلکہ اسی طرح اہتمام عمارت کے 'فرائض' غیرت خاں کے ذمہ تھے۔

حال ہی میں لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری نے ایک عجیب و غریب نادر نسخہ تذکرہ "باغستان" حاصل کیا ہے۔ جس پر ایک مفصل اور جامع مضمون ڈاکٹر نذیر احمد صاحب لکھنؤ یونیورسٹی نے بعنوان

"معمار تاج محل کے خانوادہ کا ایک اہم رُکن"

سہ ماہی رسالہ اردو ادب انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ نے مارچ ۱۹۵۵ء میں لکھا ہے۔ یہ طویل مضمون تذکرہ باغستان پر واضح کرتا ہے کہ یہ نسخہ دراصل امام الدین حسین ریاضی بن لطف اللہ مہندس بن استاد احمد کی تالیف ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہایت محنت سے امام الدین ریاضی کے اس علمی کارنامہ کو روشناس کرایا ہے۔ راقم نے اس مضمون کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ایک خط لکھ کر دریافت کیا کہ کیا کہیں اس میں تاج کی تعمیر کا ذکر ہے اور اس کا تعلق احمد سے یا اس کے خاندان سے بیان کیا گیا ہے؟ جس کے جواب میں انہوں نے صاف لکھا :-

"باغستان میں بھی استاد احمد کو معمار تاج بتانے سے غیر معمولی احتراز ملتا ہے"۔

غرضیکہ راقم کے نزدیک فی الحال یہ یقین کرتے ہوئے یہ بحث ختم ہو جاتی ہے کہ تاج محل آگرہ کی تعمیر سے واقعی احمد معمار کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور یہی نتیجہ آج سے پیشتر بھی میں نے پیش کیا تھا۔ نہ معلوم کس وجہ سے بعض لکھنے والوں نے میری طرف بعض غیر محقق بیانات کو منسوب کر دیا ہے۔

اب میں احمد معمار لاہوری اور اس کے خاندان کے افراد کے دیگر تعمیری و علمی و فنی کارناموں سے متعلق مستند ماخذ سے مزید حالات پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کے مختصر بیان سے اس خاندان کی خدمات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

"محمد شفیع نگینوی نے اپنی کتاب "مرأت واردات" میں شاہجہاں کے عہد کی عمارات دولت خانہ شاہجہان آباد مسجد دہلی، مقبرہ ممتاز محل آگرہ، باغ شالامار لاہور، خانۂ نواب آصف خاں لاہور کا ذکر کیا ہے۔ مؤخرالذکر عمارت کے متعلق ایک طویل مندرجہ ذیل بیان دیا گیا ہے جس میں وہ اس تعمیر کو احمد معمار کی طرف بالوضاحت منسوب کرتا ہے۔ اور اس میں بھی احمد کا تعلق تاج محل آگرہ سے نہیں ملتا۔

قضا قدر لفظ تفرقہ را بر جبین خلائق ننوشتہ و عمارات عالی بنائے کہ در زمان آں پادشاہ دین پناہ صورت پذیر تمام گشتہ در ہیچ عصری و دوری معماران وار الثبت اخبار از نقش بندی تصویر ش نشان نداوہ اند خصوصاً ایں پنجہ عمارات کہ در بلاد متفرقہ بحسن تدبیر صاحبقران ثانی تا حال آئینہ دار خلد بریں است یکے عمارات دولت خانہ شہریاری کہ موسوم بقلعہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد است۔ و دوم مسجد جامع کہ مقابل قلعہ مذکور رو ہمسایہ بیت المعمور است۔ سیم مقبرہ ممتاز محل دختر نواب آصف خاں کہ سرخیل زوجات آں خسرو شیریں کردار بود بر کنار دریا در سواد اکبرآباد واقع است۔ وچہارم باغ شالامار لاہور کہ از بناہائے دولت و اقبال است و در معنی صورت ہندوستان را گلستاں ساخت۔ پنجم خانہ آصف صفات در شہر لاہور آئینہ دار یکتائیست۔ چنانچہ ہم چشمی ایں عمارت فردوس اشارت سیاحان جہاں گرد بر روئے زمین نشاں نمی دہند۔ یک سلاطین حال دار الملک ہندوستان سر شہریاران ہفت اقلیم از ہیں پنج بنائے عالی نہاد افتخار تمام دارند و در حقیقت خانۂ نواب مذکور عمارتیست کہ معمار باصرہ ا

تشخیص ادراک آں آئینہ دار حیران است حکایت کنند کہ قریب مبلغ دو کرور روپیہ کہ خراجہائے قرنہا مقراست بران عمارت خرج شدہ و وسعت عمارت و تعداد مکان بجدیست کہ ذو سلطان والاحشم را با کارخانجات کافی است گویند کہ چوں آصف خاں از چار دیوار زندان جہانی بوسعت اباد بیدرو دیو از عالم باقی شتافت سلطان دارا شکوہ کہ بخطاب شاہ بلند اقبال سربلند روزگار بود آنخانہ جہت اقامت خویش از صاحبقران ثانی درخواست و برای اظہار طراحی طبع دو نشیمن مختصر مقابل آں عمارت وسیع متعددہ بنیاد نہادہ ہنوز کار از نصف تعمیر نگذشتہ بود کہ جرأت اتمام نمودہ بعجز تہیدستی معروف گشت باوجود ولیعہدی سلطنت ہندوستان و منصب پنج ہزاری و آں دولت بے قیاس ہمتش مقصور و مفقود گشت و آں امیر عالی جاہ ازیں قبیل عمارات بسیار ساختہ گویند چوں ایں خانہ کہ در وسعت عالمست و در خوبی مانند گلستان ارم از آغاز انجام پذیرفت خان دریا دل عالی ہمت تماشای آں تشریف آوردہ بعد از سیر مکانات و مقامات باستاد احمد معماری آں تعمیر از روی ناخوشی و عتاب فرمودہ کہ ای پست فطرت مگر کمی خزائن در حسرکار من بخیالت رسید کہ از کوتاہی ہمت و قصور فطرت قصری ساختی کہ با دراں در ساز نتواں نمود۔ استاد احمد کہ دراں روز توقع تحسین فراواں و حصول انعامات کلی چشم داشت یکبار مایوس گشتہ معروض داشت کہ ہرگاہ دریں خانہ کہ در زیر فلک مینائی از زمان آدم تا ایام حال چشم کہن پیر روزگار تماشا نکردہ پای عالی دراز نگردد۔ یقین کاملست کہ بغیر از کنج تاریک تنگ گور دراز نخواہد گردید

لمصنفہ ؎

در زیر خاک ای نجہاں واکشیدہ است　　　مارا بمدعائے دل خود دراز کن ؎

درایں معنی در دل دیدہ اہل بصیرت آئینہ صورت حال اہل روزگار است۔ استاد گفت ؎

چشم تنگ مرد دنیا دار را　　　یا قناعت پر کند یا خاک گور

خان نکتہ سنج صاحب انصاف متبسم گشتہ در جلدوی ایں جواب باصواب مبلغ یک لک روپیہ کہ بفارسی صد ہزار گویند با خلعت خاصہ کامیاب عزتش گردانیدند۔ ہرچند خانہ دوم آں مرصع کاری شاہ نشین متعدد دارد ولیکن خانہ لاہور کہ بہشت شداد از تماشای آں عمارت مرصع کار خجالت اندوز گشتہ

خود را از چشم تماشائیاں پنہاں ساختہ حسن دیگر و کیفیت جدا ہی دارد و از انتقال آصف خاں آں خانہ جہت بودن سلاطین مقرر است لیکن بعد خان آصف نشان، ہیچ سلاطین ہمت تعمیر شکست و ریخت آں عمارت نداشتہ و ندارند۔

چشم عبرت بیں چو در قصر شاہاں ننگرد   کہ چساں از حادثات دور گردوں شد خراب[١]

اس متذکرہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے: صاحب قران ثانی شاہجہان کے عہد میں عمارات دولتخانہ یعنی قلعہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد، مسجد جامع مقابل قلعہ ہذا، مقبرہ ممتاز محل دختر نواب آصف خاں، شالا مار باغ لاہور، پنجم خانہ آصف شہر لاہور میں ایسی عمارات ہیں جو ہفت اقلیم میں بھی نہیں ہیں۔ مگر حقیقت میں خانہ نواب آصف کی عمارت لاہور میں آئینہ حیرانی ہے اس پر اس زمانہ میں قریب مبلغ دو کروڑ روپیہ خرچ ہوئے۔ اس عمارت کی وسعت اور اس کے حصے لاتعداد ہیں۔ جب نواب موصوف کا انتقال ہوا۔ تو شہزادہ داراشکوہ بلند اقبال نے بادشاہ سے درخواست کرکے یہ مکان برائے رہائش خود حاصل کر لیا۔ اور دو مختصر وسیع نشیمن کی اس کے مقابل بنیاد رکھی جن پر ابھی نصف تعمیر بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ تو اخراجات سے تہیدستی لاحق ہوئی۔ حالانکہ وہ ولی عہد تھا اور منصب پنج ہزاری رکھتا تھا نواب آصف خاں نے ایسی کئی عمارتیں تعمیر کی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب خانہ آصف انجام کو پہنچا تو آصف خاں نے مکان کو دیکھ کر معمار احمد کو جو اس تعمیر کا معمار تھا ناخوش ہو کر عتاب سے فرمایا کہ اے پست فطرت شاید تمہارے ذہن میں میرے ہاں خزائن کی کمی کا خیال آگیا۔ اس کوتاہی ہمت کی وجہ سے تم نے محل کو تعمیر کیا ہے۔ کہ اس میں پاؤں تک پھیلانے کی گنجائش نہیں۔ احمد معمار جس کو اس روز تحسین و انعام و اکرام کی توقع تھی مایوس ہو کر عرض کی آج تک تو اس آسمان کے زیر کوئی ایسا محل تعمیر نہیں ہوا جسے آنکھ نے مشاہدہ کیا ہو جس میں پاؤں تک سما سکیں۔ یقین کامل ہے کہ سوا قبر کے تنگ و تاریک کونہ کے حضور کے پاؤں کہیں بھی پھیل سکیں گے۔ جس پر آصف خاں نکتہ سنج مسکرایا فوراً اس جواب پر ایک لاکھ روپیہ با خلعت خاصہ احمد کو عطا کئے۔ ان عمارات میں مرصع کاری کئے ہوئے شاہ نشین متعدد تھے مگر لاہور میں خانہ آصف بہشت کے

[١] مرأت داسوات برٹش موزیم Add ٦٥٧٩ ورق ٧٥

مترادف تھا۔ آصف خاں کے بعد یہ محل سلاطین کے لئے اگرچہ وقف ہوگیا۔ مگر کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس کی شکست و ریخت کی تعمیر و مرمت کی طرف توجہ کرے۔

شفیع نگینوی کے اس بیان کی تصدیق میں ہمیں بالوضاحت عمل صالح[۱] میں ملتا ہے کہ داراشکوہ نے اس محل آصف خاں کے لئے شاہجہاں سے درخواست کی اور ایک کثیر رقم بھی اس کی شکست و ریخت کو ٹھیک کرنے اور اس میں کچھ تبدیلیاں کرنے کے لئے مزید روپیہ بھی عطا کیا گیا۔ افسوس آج لاہور میں یہ محل موجود نہیں ہے اور نہ معلوم یہ کب اور کیسے تباہ ہوا۔ کیونکہ شفیع نگینوی نے اپنی کتاب مرأت واردات کو سنہ ۱۱۴۶ھ تک مکمل کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ محل لاہور میں اس وقت تک موجود تھا اور اس کے بعد تباہ ہوا۔ لاہور کے داتا گنج بخش کے ہجویری محلہ کے شمال مغرب کی طرف ایک حصہ شہر شیش محل کہلاتا ہے۔ نہ معلوم یہ لفظ اسی محل کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اسے تاریخ میں داراشکوہ کا لاہور میں ایک آئینہ محل کا ذکر ملتا ہے جس میں مرمری مورتیاں تالابوں   میں تھیں۔ جس کی صفت میں شاعروں نے بھی طبع آزمائی کی ہے[۲] اور شفیع نگینوی کے بیان کے مطابق یہ محل سنہ ۱۱۴۶ھ تک موجود تھا۔ جس وجہ سے اس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور جامع مسجد لاہور سنہ ۱۰۸۴ھ میں تعمیر ہوئی۔ اس لئے اس محل اور شاہی مسجد میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ بعض یہ خیال نہ کریں کہ اورنگ زیب نے دارا کے اس محل کو گرا کر مسجد کو تعمیر کیا۔ بہرحال آج لاہور میں اس محل کا تعین کرنا ایک امر محال ہے۔

اس کے بعد ہم اپنے کتب خانہ سے ایک نامکمل نسخہ خطوط سے جو عہد شاہجہاں اور اورنگ زیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک خط ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جو مدارالمہام نواب جعفر خاں کے نام ہے جس میں تعمیر مسجد و قلعہ حسن ابدال کا ذکر ہے۔ نواب جعفر خاں سنہ ۱۰۵۵ھ میں پنجاب کا گورنر بعہد شاہجہاں مقرر ہوا۔ سنہ ۱۰۷۳ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کا وزیر ہوا۔ اور سنہ ۱۰۸۱ھ میں فوت ہوا۔ اور اس خط کا ایک اقتباس مرحوم سید سلیمان ندوی نے اپنے بلند پایہ مضمون میں میرے حوالہ سے درج کر چکے ہیں:۔

"مدارالمہامی نواب جعفر خاں۔

میگرداند کہ حقیقت فہمیدگی و کاردانی و معاملہ شناسی و سر براہی و سلوک محمد مومن داروغہ منازل

[۱] عمل صالح ج دوم (۴۹)

[۲] اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۲۸ء

قدسی مشاکل و باغ و سرائے واقعہ حسن ابدال بمقتضائی دستگیر فتگی نواب فیاض زمان در سای خدمت گذارش نمودن تحصیل حاصل دارد. چوں در باب ساختن قلعه شمشیر گڈھ حکم مقدس معلّی شرف نفاذ یافت و داروغه و معمار که پیش از آمدن کاظم بیگ از حضور لامع النور رسید بقدر امکان و اقتدار بجبت سرانجام مصالح پایکار عمارت هر چند دست و پا میزد بطریق دل خواه صورت نمے بست و کار در تعویق می افتاد و کیفیت بے وقوفی معمار کابلی که همراهش خدمت میکرد بعرض رسیده باشد و همیشه احکام قدسی التیام درباره تاکید و تاسیس قلعه شرف صدور و اعزاز ایراد می یافت در وقتے که حکم مبرم قضا توام بعمدة الملک مهابت خاں سعادت وصول و عطای حلول بخشید از انجاکه جمیع مصالح عمارت قلعه از حسن ابدال و مضافات انجام سرانجام و سربراه مے شد بوسیله رفعت پناه حاجی الله قلی کار فرمای عمارت قلعه مذکور در کاردانی و معامله فهمی و حسن تردد و نیکو خدمتی و سربراهی و سعی و تلاش و حفظ ضوابط عملی می تواں گفت که سهیم و عدیل ندارد و صورت سرگرمیش را پیشتر بدرگاه سلاطین سجده معروض داشته حقیقت حسن سلوک و کاردانی محمد مومن مذکور و استاد احمد معمار که در طراحی و وقوف کار عمارت و معامله شناسی استعداد تام و دستے بکمال دارد بعمدة الملک رسید بر طبق تقدیم احکام مقدس معلّی صورت سرانجام تعمیر قلعه از انها دیده و هر دو را از حسن ابدال طلب داشته و بچند وجه مستمال ساخته و بجهت سرانجام و سربراهی مصالح و پیشرفت کار باوجود تقید خدمات سابقه بے تکلف تمام خدمت داروغگی و معماری اینجا مقرر نموده تجویز تامه دادند فی الواقع بعنوانے که شنیده شده بود که از کاردانی سرمایه وافر دارند بهتر از اں بمحک آزمودن[1] رسیده به تجربه پیوستند. و بمعاونت و معاضدت و مظاهرت رفعت پناه مذکور در فرصت اندک بقلعه خام دور شهر سرانجام نمودند و کارش تا بساختن کنگره رسانیدند چنانچه در اکثر جا کنگره ساخته شده و مے شود و قلعه پخته تخمیناً نبسی هزار گز و کثری صورت تعمیر گرفته و کار عمارت روز بروز جاری است و تا تکه تمامی عمله و فعله رضامند است کفایت تمام در سرانجام کارها بظهور آورده اند بهمیں طریق در تقدیم خدمات متعلقه حسن ابدال

---

[1] آزمون (در اصل نسخه)

از پرداخت باغ و منازل معلّٰی و بند آب دروازہ کشمیری و سربراہی گلاب خانہ و تعمیر سرائے عمدہ خود ہا بطرز گزیدہ بوجہ پسندیدہ ساعی و سرگرم اند و بوضع سنجیدہ سربراہ ساختہ و می سازد واز فیض بخشائے نواب اُمیدگاہ امید وارہ مجرائی ہستند در ینولا کارپردازان خدمت سامی ظاہراً خدمات حسن ابدال بدیگری سپردہ خواہند تجویز فرمایند چوں مصالح دارانی کہ در اینجا خدمت مے کنند بطریقی کہ گذارش رفتہ از توابع حسن ابدال اند و رجوع بداروغہ انجا خواہند کرد و داد برائے مجری خود نخواہد گذاشت کہ مصالح از قرار واقع در اینجا برسد یقین کہ کار اینجا در تعویق خواہد افتاد۔ نیازمند بحسب این معنی کہ از وقوع تغیر خدمات انجا از محمد مومن واستاد احمد سررشتہ نظم و نسق کہ در اینجا قرار دادہ بودند شاید از ہم افتند لازم دید کہ حقیقت را در گرامی خدمت اظہار سازد متر صد کہ خدمات مذکورہ نظر بر پیشرفت خدمت اینجا بدستور سابق محمد مومن واستاد احمد بحال وسلّم باشد کہ بجمعیت خاطر در ایجاد آں اشتغال نمایند کہ خدمت دولت خانہ فیض آستانہ مبارک مرکز قلعہ شمشیر گڈھ باہمدگر لازم ملزوم داشت باقی الامر بید کم والاختیار الیکم ایام عمر و دولت و اقبال دائماً مخلد و استدام باد۔"

اس خط کا آزاد ترجمہ یہ ہے :- یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ محمد مومن حسن ابدال کے پاکیزہ محلات، باغات وسرائے کا داروغہ بوجہ اپنے اعلیٰ سلوک و خدمت گذاری، معاملہ فہمی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ مگر اس کے لئے نواب فیاض زماں تک رسائی حاصل کرنا تحصیل حاصل ہے جب حضور کی درگاہ سے شمشیر گڈھ کے قلعہ کی تعمیر کے احکام وصول ہوئے تو داروغہ اور معمار جو کاظم بیگ سے پیشتر پہنچ گئے تھے انہوں نے تعمیر کا مصالح جمع کرنے کی بے حد کوشش کی مگر وہ خاطر خواہ انجام نہ دے سکے۔ آخر کار کام کو تعویق میں ڈال دیا گیا۔ معمار کابل جس نے ان کے ہمراہ کام کیا اس کی بیوقوفی کو جناب کے گوش گذار کر دیا ہوگا۔ آپ کی درگاہ میں تمام تاکیدی احکام برائے تعمیر قلعہ جن کو فوراً ہر حالت میں تعمیل میں آنا چاہئے ہمیشہ عمدۃ الملک[1] مہابت خاں نے وصول کیا ہے اس لئے تمام مصالح تعمیر وغیرہ حسن ابدال اور گرد و نواح

[1] آخر الامر صفحہ ۳۸۵/۲ ۔

بسے لائے جاتے تھے۔ یہ کام حاجی اللہ قلی مہتمم عمارت قلعہ کے اہتمام سے انجام پذیر ہوا ہے، جو معاملہ فہمی، کاردانی، وسنجیدگی کی وجہ سے عملی طور پر کام میں دل چسپی لینے میں مشہور ہے ۔ یہ ذمہ داری کا کام اس سے بہتر کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔ جس کی سرگرمی کو پیشتر ہی بادشاہ کے گوش گذار کر دیا گیا ہے۔ درحقیقت قابلیت، معاملہ سنجی و فرائض شناسی محمد مومن جو اوپر بیان ہو چکا ہے اور استاد احمد معمار جو فن معماری و طراحی اور نقشوں کے فہم میں مہارت تام رکھتا ہے عمدۃ الملک کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ عمدۃ الملک شاہی فرمان کی مطابقت میں دونوں کے پاس آئے اور ان کو کسی طرح مصالح کی حفاظت اور کام کی نگرانی کے لئے راضی کر لیا۔ جو وہ علاوہ سابقہ فرائض کی ادائیگی کے یعنی مع فرائض داروغگی اور معماری نہایت رضامندی سے کرتے گئے۔ یہ واقعہ ہے کہ ان دونوں کو عملی کام کا خوب تجربہ تھا جیسا کہ ان کے متعلق بیان کیا گیا تھا۔ وہ کئی ایسے تجربہ کاروں سے پیش پیش تھے تعاون اور امداد باہمی سے جو نواب صاحب بہادر نے عملی طور پر پیش کی تھوڑے عرصہ میں قلعہ خام گرد شہر ختم ہو گیا ہے اس کی تعمیر کنگروں تک پہنچ گئی ہے۔ بلکہ کئی جگہ پر کنگرے بنا دئے گئے ہیں۔ اور قلعہ پختہ قریب تیس ہزار گز اور اس سے کچھ اوپر تعمیر ہو چکا ہے۔ روز افزوں کام ترقی پر ہے۔ بلکہ تمام عملہ کاریگراں نہایت رضامندی سے ہر کفایت شعاری کو مدنظر رکھ کر کام کو سر انجام دے رہا ہے۔ جو بالکل واضح ہے اسی طرح وہ بہت مصروف ہیں۔ اور اپنی تمام کوشش کو حسن ابدال کی خدمات کی سر انجام دہی میں ہمہ تن صرف کر رہے ہیں۔ مثلاً پرداخت باغ و منازل معلیٰ، بند آب، دروازہ کشمیری، سربراہی گلاب خانہ، تعمیر سرای مطابق مجوزہ نقشہ غرضیکہ یہ اپنے فرائض کو نہایت توجہ سے فیض مآب نواب صاحب کی فیاضیوں پر انحصار کرتے ہوئے ادا کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں قابل مہتمم تعمیر تجویز کر رہے ہیں کہ حسن ابدال کا کام دوسروں کے سپرد کر دیا جائے ۔ کیونکہ انہوں نے اس حالت میں یہ تجویز کیا کہ جب کہ مہتمم مصالح نے حسن ابدال میں دیکھ بھال کرنا ہے تو ان کو اس مقام کے داروغہ سے خطاب کرنا ہوگا۔ وہ اجازت نہیں دے گا جب تک وہ احکام حاصل کر کے تعمیل نہ کرائے۔ فی الواقع وہاں مصالح اصل خزانہ سے دیا جاتا ہے۔ اس لئے یقین غالب ہے

کہ کام زیادہ تعویق میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ (راقم خط) میں تابعدار ملازم آپ کے گوش گذار کرنا لازمی خیال کرتا ہوں کہ محمد مومن داروغہ اور استاد احمد جو ان حالات کے تحت یہاں مقرر کیے گئے ہیں شاید ناپسند کریں اس لئے امید ہے کہ فرائض کو یہاں سرانجام دینے کے لئے بدستور سابق محمد مومن اور استاد احمد کے پاس ہی رہنے چاہئیں جو حسب سابق اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے جائیں گے جو فیض آب درگاہ اور قلعہ شمشیر گڑھ سے وابستہ ہیں۔ آگے آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ کے جان و مال کو دعا کرتا ہوں ۔"

اس متذکرہ بالا خط سے جو خالصاً حسن ابدال سے متعلق ہے بہت سے اہم تاریخی اور فنی امور پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ حسن ابدال کا وجود اس نام مقام سے تاریخ میں ہمیں عہد مغلیہ کی تاریخ سے ملتا ہے قران السعدین امیر خسرو کا ایک مخطوط مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں مرحوم احسن مارہروی کے مجموعہ کتب میں ہے جسے کسی انی رائے کھتری نے حسن ابدال میں ۱۳ جلوس ہمایوں میں لکھا تھا۔ ورنہ اس سے قبل اس تمام علاقہ کو اسلامی تاریخ میں کوتل مارگلہ کے نام سے ہی سلاطین غزنہ کے زمانہ سے ملتا ہے۔ بلکہ ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہی علاقہ کبھی عہد اسلام کی تاریخ سے قبل ٹیکسلا کے نام سے بطور عبادت گاہ بدھ مت بہت مشہور مقام تھا۔ جہاں سکندر اعظم بھی آیا تھا۔ مگر عہد اسلام میں اس علاقہ کی اہمیت کئی ایک وجوہ سے بڑھ گئی۔ کیونکہ یہیں سے سرحد اور جنوب کے مسافر کشمیر جانے والے گذر کر جاتے۔ چنانچہ متذکرہ بالا خط میں دروازہ کشمیر کی تعمیر کا جو ذکر ہے وہ اس امر کا ثبوت ہم پہنچاتا ہے اور یہاں مسلمانوں کی قدیم بستیاں تھیں۔ ہمیں عہد سلطان غیاث الدین بلبن میں سیرالاولیا کے حوالہ سے الشیخ محمد بن احمد المارنگی متوفی ۶۸۲ھ کا ذکر ملتا ہے جنہیں سلطان بلبن نے امامت مسجد دہلی کا عہدہ پیش کیا مگر آپ نے ایسے اہم تاریخ ہند اسلامی عہد کے فرائض کو کما حقہٗ نہ انجام دینے کی وجہ سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح الامام کمال الدین و مولٰنا حسام الدین جیسوں کا تذکرہ ملتا ہے جو اس ابتدائی عہد میں تھے۔ غرضیکہ مارگلہ درہ آج بھی شاہراہ سوری پر موجود حسن ابدال سے قریب دس میل کے فاصلہ پر مشرق کے رُخ پر موجود ہے۔ جہاں نکلسن کی یادگار ایک منارہ تھا۔ دُور سے نظر

آتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ حصہ مارگلہ ایک طرح شاہراہ سے ہٹ کر پرانی سڑک کا ایک ٹکڑا پہاڑوں کے دامن کی طرف نکل جاتا ہے۔ اور کچھ بلند ہوتا ہوا پہاڑوں کا چکر کاٹتا ہوا موجودہ سڑک کی طرف جاتا نظر آتا ہے۔ اس مقام پر اصل شاہراہ سُوری کا رُخ بھی تھا۔ انگریزوں نے اس علاقہ میں موجودہ سڑک پہاڑ کاٹ کر بنائی تھی۔ اگرچہ یہ حصہ بہت مختصر ہے لیکن اس قدیم زمانہ کی حالت کو خوب بیان کرتا ہے۔ سڑک کے اس حصہ کے وسط میں بلندی پر دائیں جانب قریب پندرہ فٹ بلند چٹان پر ایک مینار ہے جس کے نیچے ایک قدیم کتبہ فارسی زبان کا لگا ہوا ہے جس میں کچھ اشعار وغیرہ اُبھرے ہوئے الفاظ میں کندہ ہیں۔ غالباً یہ پتھر اس زمانہ سے محفوظ ہے جب مغلوں نے شاہ سوری کی شاہراہ کی مرمت کی۔ اس کتبہ کو ماہرین ۱۸۷۱ء سے لیکر آج تک برابر پڑھتے رہے ہیں یعنی یہ کتبہ چار مرتبہ طبع ہو چکا ہے اور آخر اسے ہمارے محترم فاضل دوست کرنل خواجہ عبدالرشید نے بھی پڑھا۔ اس کتبہ سے استفادہ کر کے اردو رسالہ 'برہان' دہلی اپریل ۱۹۶۰ء میں اپنے سے پیشتر دیگر محققین کے طبع شدہ متن کے علاوہ اپنی کاوش کا نتیجہ بھی چھاپ دیا ہے اور راقم کو بھی اس کا ایک فوٹو عنایت کیا جس سے استفادہ کر کے ان کے شکریہ کے ساتھ یہاں ذیل میں نامکمل صورت میں چھاپا جاتا ہے۔

ہوالقادر

خان قوی پنجہ ثابت شکوہ
شیر بہ پنجہ او ناتواں
در کتل مارگلہ آنکہ بود
با کلہ چرخ بزیں توأمان
ساخت چناں شاہرہی دُرّ اشرف
بوسہ زند چرخ بر وصد زماں
گفت مغل از پی تاریخ سال

ویسے یہ مارگلہ کا مینار دراصل برٹش کی مہموں کی آخری فتح جنرل نکلسن کے تحت کی یادگار ہے۔ جہاں اس کا خاتمہ ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں ہوا تھا۔

ناصیہ ہوش ہندوستاں

باہتمام میرزا محمد .... داروغہ ......

احمد معمار و جوگیداس مشرف و

دیالداس تحویلدار ۱۰۸۳ھ ۱/

مرمت شد

اگر ہم اس نامکمل کتبہ کے مفہوم کی طرف رجوع کریں جو اس کی موجودہ صورت سے میسر ہے تو معلوم ہوگا کہ مندرجہ بالا خط بنام نواب جعفر خاں کے نفس مضمون کے علاوہ اس مقام کتل یا درہ مارگلہ کی تاریخی اہمیت ہی واضح نہیں ہوتی بلکہ ساتھ ہی اس کی موجودہ دشوار گذار شکل و صورت کا تعلق جہاں تک جنگ کے موقع پر افواج کی نقل و حرکت سے ہے اس کی پُر شکوہ عظمت نظر آنے لگتی ہے۔ جس کے ثبوت میں گذشتہ صدی میں اسی مقام پر برٹش کی ابتدائی مہموں میں جنرل نکلسن کا واقعہ ۱۸۴۹ء، پیش آیا۔ اور اس کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے برٹش نے یہاں ایک مینارہ تعمیر کر دیا۔ جس کے نیچے آج یہ مندرجہ کتبہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس شاہراہ کی تعمیر ابتداء میں دراصل شیر شاہ سوری نے ۹۴۷ھ میں کلکتہ سے لیکر پشاور تک کی تھی۔ جس کا اشارہ یہاں اس کتبہ کی دوسری سطر میں بلفظ 'شیر' لیا جا سکتا ہے۔ غرضیکہ اس تمام پُر شکوہ ماحول تعمیر کو شاعر متخلص بہ مغل نے بعہد اورنگ زیب بالفاظ 'ناصیہ ہوش ہندوستاں' کہہ کر ۱۰۸۳ھ تاریخ نکالی ہے۔ عام طور پر اس تمام علاقہ کو تاریخ عہد مغلیہ میں بلفظ حسن ابدال بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کی عمارات، شاہی باغ، قلعہ وغیرہ کچھ فاصلہ پر ہیں۔ افسوس یہ کتبہ نامکمل ہے۔ ممکن ہے مکمل حالت میں اس کا اصل مفہوم بالخصوص احمد کے متعلق بھی واضح ہو جاتا۔ جس کا نام اس کتبہ میں واضح طور پر ملتا ہے۔ اور اس کا انتقال ۱۰۵۹ھ میں ہو چکا تھا۔ اور کتبہ پر ۱۰۸۳ھ درج ہے۔ باقی اشخاص کے اسماء مرزا محمد؛ جوگیداس، دیالداس وغیرہ مندرجہ کتبہ ہذا کا ذکر ممکن ہے تلاش سے ہمیں میسر آ جائے۔ مگر مآثر عالمگیری میں سال ۱۰۸۴ھ کے واقعات میں لطف اللہ خاں کا ذکر ملتا ہے وہ دراصل لطف اللہ خاں بن ملا سعد اللہ خاں سے مراد ہے۔ ؎۲

اس متذکرہ بالا خط میں کسی معمار کابل کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی ناکامی کے بعد غالباً احمد معمار اور محمد مومن

؎ برہان دہلی اپریل ۱۹۶۱ء کرنل رشید نے ان سب کو چھاپ دیا ہے مآثر عالمگیری ص۹۳ (ترجمہ)

اس سلسلہ میں راقم پروفیسر سید ذہیرالحسن العابدی کا ممنون ہے۔

داروغہ کو حسن ابدال کا کام سپرد ہوا۔ میرے کتب خانہ میں ایک مجموعہ خطوط کا مخطوطہ ہے۔ جو عہد شاہجہاں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اسی عہد شاہجہانی کے ایک معمار استاد حسن علی کا بیان ایک خط میں یوں ملتا ہے جو کافی اہم معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ نواب سعد اللہ خاں بعہد شاہجہاں نذر محمد والئ بلخ کے خلاف سرحد شمال میں برسر جنگ تھا اس کے پاس شاہی فرمان پہنچا کہ فوراً استاد حسن کی خدمات سے استفادہ کیا جائے جو اس وقت کابل کی عمارات کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اسی طرح ایک اور خط جو مُلّا علاء الملک تونی کو خطاب کیا گیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ مُلّا سعد اللہ ہدایت کرتا ہے کہ معماروں کو باغ اعز آباد دہلی کا مجوزہ نقشہ نہایت احتیاط سے مدنظر رکھنا چاہیئے۔ جو بادشاہ سلامت نے خود پسند فرمایا ہے۔ ایک اور خط سے واضح ہے کہ مُلّا سعد اللہ سے درخواست کی گئی ہے کہ استاد حسن علی کو ارسال کر دیا جائے۔ مع عملہ کاریگراں کے آکر نہر و باغ کو آکر دیکھے۔ غرضیکہ محض قیاساً استاد حسن کا ذکر معمار کابل تصوّر کرتے ہوئے بیان کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہو تاہم ان خطوط میں ملا سعد اللہ، ملا علاء الملک تونی، وغیرہ کا ذکر اور احمد معمار سے متعلق خط میں ذکر دیکھ کر اندازہ اس امر کا ہوتا ہے کہ کیسے کیسے باکمال اہل علم و ہنر شاہجہاں کے دربار سے وابستہ تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ شاہکار عمارات تعمیر ہوئیں جو نہ اس سے بیشتر اور نہ اس کے بعد تعمیر ہوئیں۔ افسوس اس امر کا ہے کہ ایسے امور کی کوئی باقاعدہ تاریخ وغیرہ میسر نہیں آتی اس لئے قیاس آرائیاں زیادہ کرنی پڑتی ہیں۔ مقام مارگلہ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ سلطان مسعود بن محمود غزنوی یہیں شہید ہوا۔

خواہ کچھ ہو مگر اس میں "احمد معمار" کا نام ہر ایک نے پڑھا ہے۔ یعنی ایک طرح مندرجہ بالا خط متعلقہ عمارات حسن ابدال بنام نواب جعفر خاں اور کتبہ مارگلہ سے مطابقت ہو جاتی ہے کہ واقعی احمد معمار نے اس علاقہ میں کارہائے نمایاں انجام دئیے۔ جیسا کہ خط کی عبارت سے بھی واضح ہے۔ اور حسن ابدال میں قلعہ کی عمارت جو اس وقت تیس ہزار گز سے متجاوز کنگرہ دار تعمیر ہو چکی تھی جس پر اس سے قبل معمار کابل ناکام رہا تھا۔ غرضیکہ یہ ایسے اہم امور فنی اعتبار سے نظر آتے ہیں کہ ہم آج عمدگی سے بحث بھی نہیں کر سکتے۔ تاہم احمد کی اہمیت اور محمد مومن کی انتظامی قابلیت واضح ہیں۔ حسن اتفاق سے "انشائے ہرکرن"[1] میں ایک "دستک" یعنی پروانہ کا مضمون استاد احمد کے متعلق دیا ہے۔ جو متصدیان و ملاحان گذر آب اٹک کے

---

[1] راقم نے کئی ایک مخطوطے انشاء ہرکرن کے مطالعہ کئے بلکہ مطبوعہ نسخوں میں بھی یہ واقعہ ملتا ہے۔ عبـ[2] آداب الحرب والشجاعۃ — مخزونہ

ہے کہ چونکہ بجہت مہمات بادشاہی استاد احمد کو اکثر دریا سے آمد و رفت کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اس لئے اسے لازماً قرار دیدیا جائے کہ اسے روکنا نہیں۔ یعنی یہ ایک مزید ثبوت ملتا ہے کہ احمد اس علاقہ میں عرصہ تک تعمیر کے کاموں میں مصروف تھا۔

اسی طرح مُلّا طغرا نے ایک واقعہ اپنے خاص انداز میں مُلّا احمد معمار کو خطاب کیا ہے۔ جب کہ شاہجہاں کشمیر سے لاہور آرہا تھا۔ اس نے اپنی اس تحریر میں شاہانہ سواری کو شطرنج کی بساط سے مثال دی ہے۔ اگرچہ اس تحریر میں کوئی خاص تاریخی بات معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ اس میں احمد معمار کی طبیعت کے مطابق ایوان کی تعمیر اور اس کے کتابہ جن سے استاد احمد کو خوب شناسائی و مناسبت تھی اشارہ ضرور ملتا ہے۔ بہرحال اسے یہاں درج کیا جاتا ہے:

شاید بیادش آرد فرد سخنی چو خشتم　　　　از بہر یادگار این وصف را نوشتم

در وقتے کہ موکب خوش بساط ہمایوں را در عرصہ کشمیر منصوبہ رخصت بلاہور رخ نمود و جنبش اسپ و فیل و پیادہ، از خانہا شبیہہ نقل مکان فوج شاہ شطرنج بود، قدردان صورت خانہ معنی تازہ پایہ شناس نقش کدہ الفاظ بلند آوازہ طرح پرداز قصر دانش پروری و کتابہ طراز ایوان گستری بنائے بیت المعمور پختگی اطوار فضیلت پناہی ملا احمد معمار خرابہ دل این بیگانہ راحت را آب و گل آشنائی تعمیر نمود۔ و صنم کدہ مجموعہ فقیر را بتصرف یادگاری از غبار کہنگی برآورد امید کہ یک بیت الصنم ازین ہندوستان رقم برجاست شرافخانہ وجود آں باقی فضل بعزش استحکام تواند آراست"۔[1]

معلوم ہوتا ہے استاد احمد اپنے زمانہ میں بحیثیت ماہر ریاضیات ضرب المثل تھا۔ وہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی مشہور کتاب تحریر اقلیدس کا عالم تھا۔ کتاب مجسطی جو ریاضیات فلکی کی مستند کتاب ہے اس کا ماہر تھا۔ راقم کو زیچ شاہجہانی کا ایک مخطوطہ جو ملا فرید ابراہیم منجم متوفی ۱۰۳۹ھ کی تصنیف ہے، برٹش میوزیم میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا فرید نے بھی کسی استاد احمد قدوۃ المہندسین سے استفادہ کیا تھا۔[2] قیاس غالب ہے کہ یہ بھی اسی احمد معمار کی طرف اشارہ ہے ہم نے اوپر ملا مرشد شیرازی مکرمت خاں کا ذکر بحیثیت مہتم عمارت تاج اور دہلی کی عمارات کا از

---

[1] رسائل طغرا مطبوعہ نولکشور

[2] برٹش میوزیم Add. 16.869

کتب عہد شاہجہان بیان کیا ہے۔ جس کے متعلق ملا امام الدین ریاضی نے اپنے "تذکرہ مھندسی" میں اس ضمن میں ذرا مزید روشنی ڈالی ہے۔ کہ وہ واقعی ماہر تعمیرات تھا۔ اور ملا احمد معمار اس کے پاس اپنے ہر دو فرزند عطاء اللہ اور لطف اللہ کو برائے تلمذ لے گیا تھا۔ اس کے تلامذہ میں ان کے علاوہ دیگر ماہرین زمانہ بھی تھے۔ غرضیکہ ملا احمد کی ایسے باکمال علماء، واہل ہنر سے دوستانہ علمی مجالس رہتی تھیں۔ مآثر الامرا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکرمت خاں برابر لگاتار شاہجہاں آباد کی تعمیر میں بطور مہتمم تا وفات ۱۰۵۹ھ رہا[1]۔

عام طور پر احمد معمار کو لاہوری ہی لکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے لڑکے لطف اللہ مہندس نے خود بھی اپنی تصنیفات میں اپنے والد کے ساتھ صراحتاً "لاہوری" ہی لکھا ہے۔ مگر اس کا پوتا امام الدین ریاضی بن لطف اللہ مہندس نے اپنی تصنیف تذکرہ باغستان میں ایک سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے باپ کا ذکر یوں کیا ہے:

"اکمل المحاسبین افضل المہندسین لطف اللہ مہندس بن احمد ہروی لاہور۔ پردہ کشاے"۔

اور اپنی وطنی نسبت اپنے متعلق یوں لکھتا ہے:

"الہروی ثم لاہوری ثم الدھلوی"۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاندان ہرات سے چل کر لاہور میں آباد ہوا۔ جس کے بعد لطف اللہ مہندس کا خاندان دہلی میں مقیم ہوگیا۔ مگر عام طور پر لاہور والے ہی شمار ہوتے رہے۔

ان تمام حالات مندرجہ بالا متعلقہ استاد احمد معمار سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بلاشک وشبہ وہ اپنے زمانہ میں ایک بڑی شخصیت، ماہر علوم ریاضیات، اور اعلیٰ تعمیر کار تھا۔ اور لطف اللہ نے اپنے باپ کا نام و لقب یوں بیان کیا ہے:

"نادر العصر استاد احمد معمار لاہوری شاہجہانی"۔

برلن کی منتقل لائبریری میں ایک مخطوطہ تذکرۃ الاولیاء، فرید الدین عطار[2] کا ہے جس کا ترقیمہ ظاہر کرتا ہے

[1] مآثر الامرا ص ۲۶۹ ج ۳

کرا کے کسی "لطف اللہ بن احمد بن یوسف بن حسین بن عبداللطیف" نے سنہ ۱۰۹۹ھ میں کسی محمد تمر کے مکان پر بیٹھ کر کتابت کیا۔

اگر ہم ایک لمحہ بھر کے لئے اس ترقیمہ کا کاتب لطف اللہ مہندس بن احمد معمار ہی فرض کر لیں تو ہمیں اس خاندان کے جد امجد کا بھی پتہ مل جاتا ہے۔ کہ وہ بھی معمار تھے کیونکہ ترکی مؤرخین نے دو معمار عیسیٰ و یوسف کے اسماء بیان کئے ہیں[۱]، جن کو بابر بادشاہ ہندوستان اپنے ہمراہ سنہ ۹۳۳ھ میں لایا۔ اور یہ ہر دو معماران ترکی مشہور ترکی معمار سنان بے کے تلامذہ میں سے تھے۔ اور بابر کا یہاں سنہ ۹۳۷ھ میں انتقال ہوا۔ یعنی یہ ایک صدی کا عرصہ ہوتا ہے جب کہ یوسف احمد کا والد یہاں آکر مقیم ہوا۔ اور اس طرح ہمیں تصور کرنا ہوگا۔ کہ احمد یہیں ہندوستان میں پیدا ہوا۔ اسی وجہ سے اسے صراحتہً یہیں کا باشندہ قرار دے کر "لاہوری" لکھا جاتا ہے۔ جو اس کا وطن قرار پا گیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مغلوں نے آتے ہی فوراً تعمیرات کی طرف توجہ کی۔ اور آگرہ، لاہور وغیرہ میں عمارات بصورت باغات تعمیر ہوئیں۔ جن میں سے آج بھی لاہور میں باغ مرزا کامران کا کچھ حصہ بصورت بارہ دری موجود ہے۔ جو بابر کے عہد کے سال دوم میں آگرہ کے باغ کے نقشہ پر تعمیر ہوا تھا۔ اور بابر نے ہی اس کا افتتاح خود کیا تھا۔ ہمیں تلاش سے ایک معمار محمد یوسف کا نام ملتا ہے۔ جس نے دکن میں ایک قلعہ ابوالمظفر ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں سنہ ۹۶۲ھ میں تعمیر کیا تھا۔ جس کا نام، تاریخ وغیرہ ایک کتبہ میں آج تک محفوظ ہیں[۲]۔ اور یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ سلاطین بیجاپور (دکن) ترکی الاصل تھے۔ اس لئے کوئی عجب نہیں اس ترکی معمار کی خدمات حاصل کی گئی ہوں۔

لطف اللہ مہندس نے اپنے باپ کی تاریخ وفات کو یوں نظم کیا ہے ؎

تاریخ وفات او خرد گفت — محمود العاقبت شد احمد

نادر العصر رفت خرد گفت — شد بفردوس احمد معمار

ہر دو تاریخوں سے سنہ ۱۰۵۹ھ سال نکلتا ہے اور یہی تاریخ باغستان میں بھی درج ہے۔

---

[۱] جلال اسد "ترک صنعتی" استنبول ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۳ [۲] ایپی گرافیا انڈو مسلیکا ۱۹۳۳-۱۹۳۴ء

عطاء اللہ رشیدی

متذکرہ بالا اشعار مثنوی کے مطابق استاد احمد کا سب سے بڑا لڑکا عطاء اللہ رشیدی ہے:

پس سپر پسر مانند زمرد سترگ   زاں سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

اس کی دو تصانیف الجبرا اور خلاصۃ الحساب ملتی ہیں جو برٹش موزیم میں ہیں[1]۔

"الجبر مصنفہ عطاء اللہ رشیدی ابن احمد نادر کہ بتوفیق الٰہی در سنہ اربع واربعین و الف ہجری مطابق ہشتم سال جلوس صاحبقران براورنگ لطف و جہانبانی کتاب جبر و مقابلہ ہندوسی موسوم بہ بیج گنت تصنیف بھاسکراچارج مصنف لیلاوتی را کہ در علم حساب کتابی ست بحقائق را ..... از زبان ہندوی بفارسی آوردم و دیباچہ کتاب را ..... ابو المظفر شہاب الدین محمد قران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی .... حلیہ آرائش دادم ..... الخ"

اس دیباچہ میں مصنف کا نام عطاء اللہ رشیدی لکھا ہے۔ برٹش موزیم کے ایک مجموعہ کتب حساب[2] میں "منتخب" از لطف اللہ ہندسی اور متذکرہ بالا عطاء اللہ ابن احمد کی کتاب "خلاصۃ الحساب" وغیرہ ہیں۔ لیکن نسخہ "خلاصۃ الحساب" میں عطاء اللہ کے ساتھ لفظ رشیدی (اس کا تخلص) ایزاد نہیں ہے۔ یہ کتاب حساب نظم میں ہے جسے مصنف نے دارا شکوہ کے نام پر منسوب کیا ہے۔ چند اشعار اپنے متعلق بھی لکھے ہیں۔ لطف اللہ مہندس کے اشعار اور عطاء اللہ کے اشعار کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا خصوصیت کے ساتھ دارا شکوہ سے تعلق تھا۔ شفیع نگینوی کے الفاظ کے مطابق احمد معمار نے خود دارا شکوہ کے لئے ایک محل تعمیر کیا تھا۔ خلاصۃ الحساب کا دیباچہ یہ ہے:

حمد

شکر بے حد بواحد ازلی   حمد بیحد بعزو لم یزلی

---

[1] برٹش موزیم Add: 16,869 [2] برٹش موزیم Add: 16,744۔

آں خدائے کہ قسمت ہر فرد — رقم اندر سطور نامیہ کرد
بادشاہِ ممالک جبروت — خالق خلق و مالک ملکوت

نعت

بر محمدؐ صلوٰۃ نامحصور — باد تا جذر باشد مجذور
ذات او در مدارج ایجاد — چوں یکی در مراتب اعداد
فضل کل از جمال او پیدا — عقل کل در کمال او شیدا
از خدا بر وی و صحابہ وی — صلوٰۃ و سلام پی در پی

در مدح پادشاہ شہاب الدّین شاہجہاں

بعد نعت رسول و حمد اللہ — نہ سزد جز دعائی دولت شاہ
سایہ رحمتِ الٰہ جہاں — شاہ آفاق گیر شاہجہاں
باسط مسند ظفر بر زمیں — بوالمظفر شہاب دولت و دیں
نائب مصطفےٰ باستحقاق — بادشاہ جہاں علی الاطلاق
رستمان جہاں فگندۂ او — صد چو افراسیاب بندۂ او
خامۂ اوست رایت منصور — کہ نویسد بشش جہت منشور

صفت شاہزادہ داراشکوہ

بِلّٰہ الحمد ایں سبیکہ ماہ — شد مجلّی بنام داراشاہ
نیر اعظم سپہر کمال — بادشاہزادۂ بلند اقبال
قطب آفاق سرور عادل — شاہ داراشکوہ دریا دل
فخر دنیا و دین پناہ جہاں — شرف دودمان شاہجہاں
تا بود بر فلک مہ و خورشید — آں پی دیں سپر بود جاوید

بانی قصرِ دولت واقبال — در دریائے ؔ الغعت ؔ اجلال
قرت العین دیدهٔ ہستی — علم عالم زبر دستی
پر شکوہش قبای دریا تنگ — کوہ در وزن علم او پاسنگ

اظہار عجز حال مصنّفِ این کتاب

میکند نظم این خلاصه راز — بنه مقدم بکمال نیاز
خانزاده غلام حضرت شاه — ذرهٔ بینوا عطاء الله
پور استاد احمد معمار — که ہنر بود مرکز او پرکار
آں وحید جہاں که در ہر فن — بود برہان قدرت ذوالمن
آں ہنر پیشه کز سر تیشه — زنگ بردی ز روی اندیشه
بود ہر چند از ہنر ایں راه — گشت معمار کل دریں درگاه
ورنه ہر خسته چو من عامی — اندریں باغ که شود نامی
سنگ ایں آستان گوہر بار — جوہر بخت را بود معمار
من که از بندگان درگاہم — خانه زاده کمینه شاہم
گرچه نادان وگول وبے ہنرم — منقبت خوان شاه بحر وبرم
نشناسم سیاه راز سپید — خاصه بر لطف بادشاہت امید
کاندریں درگهٔ غریب نواز — در رحمت ہمیشه باشد باز

صفت عدد وشروع کتاب

نظم روشن چو سلک گوہر ناب — بشنو اندریں بیان علم حساب

ان اشعار سے دیگر امور پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یعنی یہ رسالہ اس وقت لکھا گیا جب بادشاہ شاہجہاں

زندہ تھا اور دارا شکوہ اس وقت اسم بامسمّٰی بلند اقبال تھا۔ عطاء اللہ اپنے باپ احمد معمار کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ شاہجہاں کا "معمارِ کل" تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ کتبہ مانڈو میں اس کے نام کے ساتھ لفظ شاہجہانی ایزاد کیا گیا ہے۔[1] اگرچہ یہ بات کسی اور تاریخ وغیرہ سے ثابت نہیں ہے۔

لطف اللہ مہندس نے صاف تاج محل کی تعمیر کو اپنے باپ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور عطاء اللہ نے اپنے متعلق بھی صراحت سے کہا ہے کہ میرا بھی اسی درگاہ شاہجہانی سے تعلق ہے۔ البتہ عطاء اللہ نے اپنے بھائی کی طرح اس کا کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میرا باپ تاج کا معمار تھا۔

عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں جب اس کی بیوی دلرس بانو بیگم رابعہ دورانی کا انتقال ہوا۔ تو ضرورت محسوس ہوئی کہ تاج محل کی طرح اس کا بھی روضہ تعمیر کیا جائے۔ لہٰذا یہ کام اگرچہ اس کی کہیں صراحت نہیں ملتی کہ یہ کام عطاء اللہ بن احمد معمار کے سپرد کیا گیا۔ اور نہ اس کی وضاحت عطاء اللہ نے خود کی ہے۔ البتہ یہ روضہ کسی عطاء اللہ نامی معمار کی کارکردگی میں تعمیر ہوا۔ راقم کو اس روضہ دلرس بانو بیگم کے ملحقہ مکانات میں اورنگ آباد دکن میں قبلہ مولوی عبدالحق کے ہمراہ کچھ عرصہ رہنے کا فخر حاصل ہوا۔ اس عمارت میں کوشش کی گئی ہے کہ بالکل تاج محل آگرہ کے نقشہ پر تعمیر ہو۔ اگرچہ وہ بات ہرگز حاصل نہیں ہوئی تاہم ظاہری صورت میں تاج کا تصوّر ضرور آتا ہے۔ خوش قسمتی سے کتبات ذیل مقبرہ کے دروازہ پر پیتل کے ٹکڑہ پر کندہ کر کے جڑ دئے ہیں :

۱۔ این دروازہ باہتمام رفعت پناہ ابوالقاسم بیگ داروغہ طیار شد

۲۔ این روضہ منوّرہ در معماری عطاء اللہ بہ عمل ہیبت رائے طیار شد سنہ ۱۰۷۲ھ[2]

اگرچہ آج تک کسی تحریر وغیرہ سے یہ امر واضح نہیں ہوتا کہ یہ عطاء اللہ معمار یہی متذکرہ بالا عطاء اللہ رشیدی بن استاد احمد معمار تھا۔ تاہم نام اور اس خاندان کی خاص تعمیری قابلیت کا اندازہ کرتے ہوئے اسے بیان کر دیا گیا ہے۔ ہاں تاریخ سے یہ ضرور ملتا ہے کہ دلرس بانو کا روضہ کا تمام انتظام وغیرہ شہزادہ

---

[1] بمبئی یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخہ 'خزینۃ الاعداد' کا جو حساب، الجبرا اور علم اقلیدس سے متعلق ہے اور کسی عطاء اللہ نے اسے تصنیف کیا۔ تاریخ ۱۱۱۸ھ نکلتی ہے۔ اس لئے یہ عطاء اللہ رشیدی کا نہیں ہے۔

[2] اورنگ آباد گزٹیر انگریزی، ۱۸۸۴ء اس میں محض عطاء اللہ کا نام درج ہے۔

محمد اعظم بن عالمگیر نے کیا تھا۔

لطف اللہ مہندس

لطف اللہ مہندس نے خود اپنے متعلق مثنوی متذکرہ بالا میں یوں کہا ہے ؎

ثانی آں ہر سہ برادر منم　　　هندسہ یک فن بود از صد فنم

یعنی وہ احمد کا دوسرا لڑکا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے رسالہ منتخب میں اور بعض دیگر تالیفات میں بیان کیا ہے کہ اس کا استاد اس کا بڑا بھائی عطاء اللہ رشیدی تھا۔ مگر اس کے لڑکے امام الدین ریاضی نے باغستان میں بیان کیا ہے۔ کہ میرے والد کے اساتذہ یہ لوگ تھے:

۱۔ مرزا عادل بن مرزا محمد عاشق اکبر آبادی۔

۲۔ مولانا سید عبدالرشید لاہوری

۳۔ مولانا نعمت اللہ بن شیخ عبدالرشید قریشی

ان کے علاوہ اس کا والد احمد اسے خود اپنے ہمراہ مکرمت خاں کے پاس تلمیذ کرا کر آیا تھا۔ جیسا کہ ریاضی نے خود تذکرہ مہندسی میں بیان کیا ہے۔ بلکہ لطف اللہ کا بڑا بھائی بھی مکرمت خاں کا تلمیذ تھا۔ یہ بھی اپنے بڑے بھائی اور والد کی طرح معمار تھا۔ مگر اس کے ساتھ بے شمار کتب کا مصنف بھی تھا جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

اس کے رسالہ "منتخب الحساب" کا میرا اپنا ذاتی نسخہ[1] میرے سامنے ہے۔ اس کی ابتدا یہ ہے:

الحمد للہ رب العالمین .... اما بعد می گوید فقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار لاہوری عفر اللہ لہ و والدیہ واحسن الیہما والیہ کہ کتاب حساب را تصنیف است او محقق و تحریر مدقق شیخ بہاء الدین محمد بن حسن عاملی است رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشتملت بر قواعد شریفہ و فوائد لطیفہ باشارت خلاصۂ دودمان سیادت منتخب خاندان وزارت میر محمد سعید ابن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ وضاعف

[1] روزنامہ "انقلاب" ۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء رپورٹ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور۔

اجلالہ ترجمہ کردم چوں آں نسخہ خلاصہ نام داشت ایں نسخہ را منتخب ۱۰۹۲ھ نام نہادم۔ نام تاریخ
تالیف ایں رسالہ است . . . . "

لطف اللہ مہندس کی دوسری تصنیف "رسالہ خواص اعداد"[1] چار مقالوں میں ہے اور یہ اس نے ابن سینا کے تتبع میں حساب پر لکھا ہے:۔

"الحمد للہ . . . . . . اما بعد میگوید فقیر لطف اللہ مہندس متخلص بمہندس ابن استاد احمد لاہوری
کہ ایں رسالہ الیست کہ علم ارثماطیقی (ARITHMETIC) خواص اعداد کہ
بدال اسعدک اللہ تصنیف بیش از یک بازکند زوج الزوج . . . . . . شیخ الرئیس . . . ."

لطف اللہ مہندس جس کا شاعر ہونا تخلص مہندس اس کے اپنے دیوان سے ثابت ہو چکا ہے اس نے تذکرہ دولت شاہ کا اختصار "آسمان سخن" کے عنوان سے نظم کیا جسے سپرنگر نے فہرست مخطوطات اودھ میں ص ۱۲۲ پر بیان کیا ہے[2]۔ وہ کہتا ہے کہ لطف اللہ مہندس ابن احمد نے اس کا نظم میں اختصار کیا۔ اس کے مقدمہ سے جو بارہ اشعار پر مشتمل ہے فائضی کرمانی نے تذکرہ دولت شاہ کو فارسی نظم میں اکبر کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اور سات طبقات کے بجائے دس میں کیا تھا۔ مگر لطف اللہ مہندس نے جو اورنگ زیب کا ہمعصر تھا اس نظم کو شکل ثانی دی۔ اس نے دو برج زائد کئے تاکہ تعداد دائرۃ البروج کے نشانات کے ساتھ مناسبت پیدا کرلے اور اس وجہ سے اس کا نام آسمان سخن رکھا۔ قریباً دو سو پچاس اشعار میں ہے اور ہر ایک میں شاعر کا نام ہے ؎

شکر خدائی کہ آسمان سخن بیا فرید محیط نہ آسمان کہن

اس طرح لطف اللہ مہندس کا متذکرہ بالا دیوان بھی اس کی تصانیف ہی سے ہے۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کام ترجمہ ہے۔ "صور صوفی" مصنفہ عبدالرحمٰن الصوفی المتوفی ۳۷۶ھ کی کتاب کا جو ستاروں کے اشکال و صور پر ہے اس کتاب کے بہت سے قدیم مصور نسخے کتب خانہ ملی پیرس میں موجود ہیں۔ اور

[1] برٹش موزیم ۷۴۹، 16 Add [2] برلن لائبریری مخطوطات مشرقیہ ص ۵۲ Peterman میں ایک مخطوطہ تذکرہ کے متعلق ہے جو مولفہ لطف اللہ ابن احمد ابن یوسف ابن حسین ابن عبداللطیف ۱۳ رمضان ۱۰۹۹ھ بیان کیا گیا ہے۔

ان سے قدیم مصوری پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ لطف اللہ مہندس نے ۱۰۸۰ھ میں اپنے باپ احمد کے کہنے پر اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اس کا ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی میں لطف اللہ مہندس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔

ان کے علاوہ لطف اللہ مہندس کی دیگر تالیفات بھی ہیں۔ اس کی ایک تصنیف سحر حلال ہے جس پر راقم نے اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۶ء میں ایک مفصل مضمون تحریر کیا تھا۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام تحریر بے نقط ہے۔

لطف اللہ مہندس کی ایک تصنیف تذکرہ علمائے ہند کا حوالہ باغستان میں جا بجا ملتا ہے۔ اس میں متقدم و متاخر علماء، شعراء، حکماء وغیرہ کا نہایت تفصیلی ذکر تھا۔ امام الدین ریاضی نے اسے تذکرۂ مہندسی کے نام سے یاد کیا ہے[۱]۔

نوراللہ

مثنوی مہندس سے احمد کے تیسرے لڑکے نوراللہ کا پتہ چلتا ہے ؎

ثالث آں ہر سہ برادر بسال　　　آمدہ نوراللہ صاحب کمال

پھر اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ ہم تینوں بھائی عمارت کے کام سے خوب آشنا استاد ہیں۔ مگر ساتھ یہ بھی کہا ہے ؎

گنج ہنر آمدہ در مشت او　　　ہفت قلم ماندہ سر انگشت او

یعنی وہ ایک ماہر خطاط بھی تھا اور سات قلموں یعنی طرزوں کا ماہر تھا۔ افسوس ہے کہ ہم نے کبھی اپنی قدیم یادگاروں کو غور سے نہیں دیکھا۔ جن لوگوں نے دہلی کی جامع مسجد کو غور سے دیکھا ہے اور اس کے ایوان کے گیارہ دروں کے کتبات کو بھی پڑھا ہوگا ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا کاتب یہی "نوراللہ ابن احمد" ہے۔ اگرچہ آخر کے کتبہ کے اختتام پر اس کا نام یوں ملتا ہے۔ "نوراللہ احمد" اس سے

[۱] مضمون ڈاکٹر نذیر احمد صاحب۔

واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ہی نور اللہ ہے جو دہلی میں اپنے باپ کے ہمراہ تعمیری کاموں میں بھی شریک تھا اور بالخصوص عمارات کے کتبات لکھنے میں زیادہ مصروف تھا۔[1]

امام الدّین الرّیاضی

اس خاندان کے دیگر افراد بھی مہندس و شاعر تھے۔ تذکرہ "ہمیشہ بہار" مصنفہ کشن چند میں مولینا امام الدین کا ذکر ملتا ہے جس کے متعلق سپرنگر نے اپنی فہرست مخطوطات اودھ صـــ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ اسے امام الرّیاضی کہا جاتا تھا اور یہ باشندہ لاہور تھا۔ لیکن سکونت دہلی میں تھی۔ اس کا والد لطف اللہ مہندس بہت بڑا ریاضی دان تھا اور اس کی کتابیں مدارس میں رائج تھیں۔ سنہ ۱۱۳۶ھ میں زندہ تھا۔ اس کے ایک شاگرد نے المجسطی کی شرح کی ہے۔ تذکرہ "صبح گلشن" میں ریاضی کا ذکر ذیل کے الفاظ میں معہ چند اشعار کے ملتا ہے:

"ریاضی۔ امام الدین فرزند مولانا لطف اللہ مہندس لاہوری کہ قلعہ ارک شاہجہان اباد بصوابدید رای زرینش بنیاد گرفتہ و ریاضی متوطن شاہجہان اباد گردیدا زاں شہرت مدت العمر بسر دل نرفتہ ماہر علوم درسیہ بودہ و در سبق علم ریاضی از معاصرین قصب السبق ربودہ و در عبادت و ریاضت و ورع در عہد عدیل خود نداشت۔ و درسنہ خمس واربعین و مأتہ والف قدم بطریق سیر ریاض رضوان گذاشت ؎

رگ گل کرد آں گلچہرہ ہر تار نہالی را — ازیں اندیشہ گلہا داغ شد بر سینہ قالی را
رفتی و رفت لشکر دل در رکاب تو — خرم برنگ مجلس تصویر جاں نداشت
روشن دلیم و خاک نشینی غبار ماست — سیماب وار گشتہ شدن اعتبار ماست
زعشق یار چگویم کہ حال من چون ست — غمم بدور خطش از احاطہ بیرون ست
ندانم از چہ شدی سنگدل کہ بیمار ست — بجاں رسیدہ و نہ پرسی کہ حال او چون ست

مصنف "ہمیشہ بہار" کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ مولینا امام الدین اس کا ہمعصر تھا۔ اور یہ کہ اس کا انتقال سنہ ۱۱۴۵ھ میں ہوا۔

[1] بعض لکھنے والوں نے نور الہدیٰ احمد کو مغالطے سے حافظ نور اللہ سمجھ لیا ہے۔ موخر الذکر لکھنؤ میں خطاط بعہد آصف الدولہ تھا (تذکرہ خوشنویسان ص ۸۶)

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لکھنؤ یونیورسٹی نے حال ہی میں ایک نادر نسخہ تذکرہ "باغستان" تصنیف امام الدین ریاضی بن لطف اللہ مہندس حاصل کیا ہے جس میں اس نے اپنا پورا نام "امام الدین حسین" لکھا ہے۔ اور وہ ۱۰۶۶ھ میں پیدا ہوا۔

امام الدین ریاضی کے اساتذہ (۱) سید حسن نارنولی (۲) حاجی محمد عارف (۳) مولانا شیخ شیر محمد (۴) شیخ جیون (۵) حاجی محمد شفیع (۶) شیخ پھول (۷) میر محمد رضا بہاری (۸) خواجہ ابوالمعالی (۹) میر تقی کاہلی (۱۰) شیخ محمد جیسے بلند پایہ علما و فضلا تھے۔ اگرچہ ان کی بعض اپنی تصانیف سے یہ بھی واضح ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے علوم حاصل کئے تھے اور طبیعت تصوف کی طرف مائل تھی متذکرہ بالا کتب کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف کا ذکر بھی ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے۔ جن کے اسما، یہ ہیں:

شرح تہذیب۔ حاشیہ شرح ہدیۃ الحکمۃ۔ حاشیہ شرح مطالع۔ حاشیہ فارسی ہیئت۔ حاشیہ شرح خلاصۃ الحساب حاشیہ اخلاق ناصری۔ ترجمہ منظوم کیدانی۔ حاشیہ بر شرح چغمینی۔ رسالہ بیانیہ۔ رسالہ تحقیق الضوء۔ رسالہ بدلیعیہ۔ رسالہ منظوم النجوم بطور مدخل۔ رسالہ مرأۃ المواقف۔ رسالہ نسبت مثناۃ و مثلث بالتکریر۔ تصریح۔ تشریح۔ مفتاح۔ رسالہ مجمع البحرین۔ شرح مناظر اقلیدس۔ شرح بشرح خلاصۃ الحساب کتاب الکرہ۔ دیوان اشعار۔ انشا دیگر۔ اور تذکرہ باغستان جس کے متعلق اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حال ہی میں لکھنؤ یونیورسٹی نے اسے حاصل کیا ہے۔ جس کا جزو دوم دستیاب ہو سکا ہے اور دوم ۷ باغ پر مشتمل ہے:-

باغ ششم در ذکر صوفیہ علیہ رضوان مشائخ سلسلہ چشتیہ، نقش بندیہ، شطاریہ وغیرہ۔ باغ ہفتم در ذکر علماء۔ باغ ہشتم در ذکر ظرفا، و ظرافت۔ باغ نہم شعراء۔ باغ دہم حقیقت خواب۔ باغ یازدہم در ذکر منجمین[۱]

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ تذکرہ باغستان ۱۱۱۶ھ سے قبل تصنیف ہوا۔ کیونکہ انہوں نے خواجہ ابوالمعالی بلخی کے ذکر میں اس نے ۱۱۱۶ھ کا ذکر وضاحت سے کیا ہے۔ اور یہ امام الدین ریاضی کے

[۱] مضمون ڈاکٹر نذیر احمد صفحات ۷۱-۷۲۔

استاد بھی تھے۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے نسخہ باغستان پر بحث کرتے ہوئے اس کے نقائص کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ یعنی فرماتے ہیں کہ تاریخی ترتیب ہرگز نہیں درمیان میں جگہ جگہ ایسی حکائتیں اور روائتیں آجاتی ہیں، کہ سررشتہ سخن جاتا رہتا ہے۔ ترتیب کلام میں کوئی خاص اصول مدنظر نہیں رکھا گیا۔ غرضیکہ راقم کے نزدیک یہ تذکرہ باغستان دراصل ایک بیاض کی صورت ہے جس میں اس کا مالک جو چاہے اور جہاں چاہے درج کرلے کوئی ترتیب مدنظر نہیں ہوتی۔ محض یادداشت کو محفوظ کرنا مدنظر ہوتا ہے۔

میرزا خیر اللہ

خیر اللہ بن لطف اللہ نے جس کا پورا نام ابوالخیر المخاطب بہ خیر اللہ خاں مہندس ہے۔ محمد شاہ اوّل کے زمانہ میں اپنا نام روشن کیا۔ یہ بہت بڑا ریاضی دان اور منجم تھا۔ اس کا ذکر تذکرہ "سفینہ خوش گو" مؤلفہ بندرابن خوش گو متوفی سنہ ۱۱۷۰ھ نسخہ بانکی پور میں امام الدین الرّیاضی کے حال میں ملتا ہے:۔

"وامر دربر ملّا ابوالخیر معروف بخیر اللہ برادر اعیانی وی در ہیئت و ہندسہ واکثر علوم یگانۂ روزگار است۔ چنانچہ راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی زمیندار انبیر کہ دریں ایام خیال رصد بستن در پیش داشتہ قریب بیست لک روپیہ در بست سال صرف ایں کار نمودہ باستصواب ابوالخیر مذکور است۔ وحق آنست کہ ذات او بر زمانہ ثبت است ......"

بعض تذکرہ نویسوں نے اس کا نام میرزا خیر اللہ بھی لکھا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ جے سنگھ والی جے پور کا "جنتر منتر" اسی خیر اللہ کی اختراع کا نتیجہ ہے۔

یعنی یہ امام الدین ریاضی کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور یہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت سی کتب کا مؤلف تھا۔ مثلاً تقریر التحریر سنہ ۱۱۴۴ھ۔ تقریب التحریر سنہ ۱۱۶۱ھ۔ شرح زیج محمد شاہی سنہ ۱۱۴۰ھ شرح زلالی۔ المدخل فی النجوم سنہ ۱۱۵۰ھ

احسن مارہروی کے مجموعہ مخطوطات جو اس وقت مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں محفوظ ہے ایک مخطوط

بنام "قانون الوقف" ہے جس کا مصنف ابوالخیر ابوالمعالی وفائی بن لطف اللہ المشتہر بمہندس ہے[1]۔

محمد علی[2]

محمد علی ریاضی بن خیر اللہ مہندس جس نے اپنے باپ کی کتاب "تقریب التحریر" کو صاف کرکے اس پر دیباچہ لکھا۔ چنانچہ سلسلہ خاندان احمد معمار ابھی دُور تک پہنچتا ہے۔

محمد علی بن خیر اللہ کی ایک تصنیف بصورت مخطوطہ بنام "تخریج نصف النہار" عربی زبان میں جو ایک مختصر سا رسالہ ہے مولانا خلیل الرحمٰن داؤدی کے کتب خانہ لاہور میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

مرزا محمد علی بن خیر اللہ مہندس اپنے زمانہ میں ایک مستند کاتب اور فرمان نویس بھی تھا۔ اور اسی نام کا ایک اور کاتب مرزا محمد علی حکاک مہر کن از شاگردان میرزا محمد علی بن خیر اللہ بھی تھا[3]۔ مگر میرزا محمد علی کے متعلق مزید ملتا ہے کہ وہ شیخ عبدالکریم قادری کے رشتہ میں اور تلامذہ میں سے تھے۔ مولف تذکرہ خوش نویساں نے لکھا ہے کہ میرے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے۔ عماد الملک کی سرکار میں بچوں کی تعلیم پر مامور تھے اور فرخ آباد، لکھنو، عظیم آباد جیسے مقام سے تعلق تھا[4]۔

امیر الدّین علی

ریاضی کے باغستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک لڑکا امیر الدین علی تھا جو دہلی میں ۱۱۰۶ھ میں پیدا ہوا۔ اور اس کو ہمراہ لیکر ریاضی ۱۱۲۳ھ میں اپنے پیر و مرشد سید نور اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر الدین علی بہت خوبصورت تھا اور اس کی عمر ۱۱۲۵ھ میں ۲۴ سال کی تھی جب ریاضی کا انتقال ہوا[3]۔

محمد امان نثار بن سعادت اللہ معمار

حسن اتفاق سے مجموعہ نغز کے مصنف میر قدرت اللہ قاسم نے میاں محمد امان نثار کا ذکر اردو

---

[1] اورینٹل کالج میگزین۔ نومبر ۱۹۵۵ء ص۲۰   [2] مضمون سید سلیمانؒ صاحب۔

[3] مضمون ڈاکٹر نذیر احمد ص۱۰۷   [4] تذکرہ خوشنویساں ص۹۵-۹۶

شعراء کے ضمن میں کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاوہ شیریں زبان مزاج دوست عذب البیان شاعر کے صنعت معماری میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے ایک بزرگ نے جامع مسجد دہلی تعمیر کی تھی۔

"دریں کاخ مجازی بناہائے عالیہ برافراشتہ اند گویند کہ بنائے خیر مسجد شاہ جہاں آباد صانہا اللہ عن الشر والفساد ریختہ تیکے کلانہائے وے است و وے نیز دریں کار استوار بسیار پُرکار و چابکدست واقع شد ...."[۱]

اور نواب شیفتہ نے تذکرہ "گلشن بے خار" میں محمد امان نثار کے باپ کا نام معمار سعادت اللہ بتایا ہے اور وہ احمد معمار کی اولاد سے تھے۔[۲]

اور یہ خاندان دہلی کے تباہ ہونے پر لکھنؤ میں آباد ہوگیا تھا۔ اور وہاں امان نثار اور ان کے والد سعادت اللہ معمار نے شاہان اودھ کے لئے عمارات تعمیر کیں اور وہاں مرزا محمد رفیع سودا و شاہ حاتم جیسوں سے صحبت شعر و شاعری بھی ایک طرۂ امتیاز تھا۔ اس کی تفصیل کسی قدر رنگین کی "مجالس رنگین" میں ملتی ہے۔[۳]

احمد معمار کے خاندان کا شجرۂ نسب یوں لکھا جائیگا

عبداللطیف
|
حسین
|
یوسف
|
احمد (متوفی ۱۰۵۹ھ)

- نور اللہ
- عطاء اللہ رشیدی
- لطف اللہ مہندس
  - امام الدین ریاضی (د ۱۱۴۵ھ)
    - امیر الدین علی
  - میرزا خیر اللہ
    - محمد علی

سعادت اللہ
|
محمد امان نثار

[۱] مجموعہ نغز از پروفیسر شیرانی مرحوم۔ اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۲ء ص۲۲ [۲] تذکرہ گلشن بے خار، نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۴ء ص۲۲ [۳] آبحیات ص۲۱

متذکرہ بالا سطور میں احمد معمار اور اس کا خاندان جو کبھی لاہور میں مقیم تھا اور لاہور والے کہلاتے تھے بیان کرنے کے بعد راقم کو یہ امر برمحل معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاندان کے فنی کارناموں اور روایات فن کو مدنظر رکھ کر اس رسالہ کے اختتام پر چند الفاظ اپنے خاندان کے بزرگوں سے متعلق بطور وضاحت کرے جو معمار، مصور، نقاش، نجار اور خطاط وغیرہ تھے جو بذات خود ایک دلچسپ تاریخی داستان ہے چنانچہ میرے والد مرحوم مستری کریم بخش متوفی سنہ ۱۹۱۳ء اپنے زمانہ کے متفق علیہ اعلیٰ استاد ماہر تعمیر کار تھے۔ ایک کثیر تعداد ان کے تلامذہ کی تھی۔ جن کا سلسلہ تلمذ آج بھی موجود ہے۔ ویسے بھی لاہور میں بالخصوص اندرون شہر اکثر قدیم عمارات و مساجد آج بھی موجود ہیں جن کا نقشہ اور تعمیر راقم کے بزرگوں کے ہاتھوں سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ میاں کریم بخش مرحوم ایک اعلیٰ معمار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کے والد میاں رحیم بخش اپنے زمانہ کے بہت بڑے معمار تھے۔ ان کے متعلق مجھے خود بعض قدیم دستاویزات جو سنہ ۱۹۴۹-۴۸ء سالوں سے تعلق رکھتے ہیں متعلقہ تعمیرات خاندان راجہ دینا ناتھ جن کے مکانات اندرون دہلی دروازہ نزد مسجد وزیر خاں آج بھی موجود ہیں سرکاری ریکارڈ آفس لاہور میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کہ وہ اپنے زمانہ میں بحیثیت اعلیٰ معمار مشہور تھے۔ اور ان کے والد میاں صلاح جن کا وجود بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ مسلم ہے بہت بڑے معمار تھے۔ ان کی ایک تصویر ہمارے خاندان میں آج بھی موجود ہے۔ ویسے سُنا جاتا ہے کہ وہ اپنے تقدس کی وجہ سے بھی زیادہ مقبول عوام تھے۔ ہم نے اکثر بزرگوں سے اپنے اجداد کے متعلق اکثر روایات سُنی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق قدیم عہد مغلیہ کی شاہی تعمیرات سے بھی تھا۔ غرضیکہ یہ ایک خاندان معماراں لاہور میں تھا۔

مطبوعہ انشاء پریس لاہور